تو ستاروں کے ثبوت کا حکم لگانا اقرب بصواب ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ عدم شہود کو ملاحظہ رکھتے ہوئے ستاروں کے نہ ہونے کا حکم لگایا جائے۔

علماء جو کثرت وجود کے قائل ہیں۔ ان کا مقصود شریعت کو باقی رکھنا ہے۔ جس کی بنیاد تعدد پر ہے اور صاحب شریعت کے وعدہ وعید کا اجراء بھی کثرت کے بغیر متصور نہیں ہے اور صوفیاء بھی اس بات کے معترف ہیں۔ اگرچہ وہ تکلف کے ساتھ اس کی شریعت کے ساتھ تطبیق کرتے ہیں اور جو کچھ علماء نے فرمایا ہے وہ بے تکلف صادق آتا ہے اور بے حیلہ مطابقت رکھتا ہے اور کوئی غبار اور کدورت نہیں رکھتا۔ علماء مستقل وجود کا اثبات نہیں کرتے کہ اس میں بات کرنے کی گنجائش ہو اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ شرکت لازم آئے۔ بلکہ وہ ایک کمزور وجود کا اثبات کرتے ہیں۔ جو کہ دوسرے سے مستعار اور مظاہر ہے۔ اب بتاؤ اس میں کیا غلطی ہے۔؟

علماء کی طرف جو کہ دین کے اکابر ہیں غلطی کی نسبت کرنا غلط محض اور محض غلطی ہے۔ ہم پیچھے رہ جانے والے کمزور لوگوں نے دین اور شریعت کو علماء سے حاصل کیا ہے۔ اور مذہب وملت کو ان کی برکات سے اخذ کیا ہے۔ اگر ان میں طعن کرنے کی گنجائش ہو تو شریعت وملت سے اعتقاد اٹھ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین پر طعنہ کرنے والے کو گمراہ اور بدعتی کہا جائے گا۔ اور اس کے طعن کو گمراہی اور دین میں شکوک پیدا کرنے کے اسباب سے شمار کرکے اس کے بطلان کا حکم کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ انہوں نے مغز چھوڑ کر پوست پر قناعت کرلی ہے۔ شاید تم نے صُوَر کو مغز خیال کیا ہے اور تنزیہ کو پوست (چھلکا) کیونکہ علماء کی دعوت وگرفتاری تنزیہ کے ساتھ ہے اور تجلی صوری کا مطلوب وشہود صُوَر واشکال ہیں۔ انصاف کرنا چاہیے کہ کون مغز میں گرفتار ہے۔ اور کون پوست میں اٹک کر رہ گیا ہے۔

اِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (یقیناً ہم یا تم ہدایت پہ ہیں یا ظاہر گمراہی میں)

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّ آخِرًا۔

مکتوب نمبر ۲۳

ملا شمس کی طرف صادر فرمایا

(شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے اس قول کی تحقیق میں کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو اور اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے اور اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا۔)

ملا شمس استقامت سے رہیں۔ آپ نے پوچھا ہے کہ شیخ المشائخ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے رسالہ "ارشاد السالکین" میں لکھا ہے کہ جب تک کافر نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہیں ہوتا مسلمان نہیں ہوتا" ان کلمات کا کیا مطلب ہے۔؟

جاننا چاہیئے کہ کفر سے مراد کفر طریقت ہے جو کہ مرتبہ جمع سے عبارت ہے جو کہ پوشیدگی کا وطن اور اسلام کے حسن اور کفر کے قبح عدم امتیاز کا مقام ہے بلکہ جس طرح اسلام کو اچھا جانتا ہے۔ کفر کو بھی اس جگہ اچھا پاتا ہے۔ اور دونوں کو اسم ھادی اور اسم مُضل کا مظہر پاتا ہے اور دونوں سے حصہ لیتا ہے اور لذت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ کفر ہے جس کی خبر منصور نے دی ہے اور وہ اسی کفر میں رہا اور اسی میں اس کی موت ہوئی۔ اس نے کہا ہے۔ ؎

کَفَرْتُ بِدِیْنِ اللّٰہِ وَالْکُفْرُ وَاجِبٌ [1]
لَدَیَّ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِیْنَ قَبِیْحٌ

اور شطحیات مثلاً قول

اَنَا الْحَقُّ — میں خدا ہوں

سُبْحَانِیْ — میں پاک ہوں

اور

لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَا اللّٰہِ — میرے جبہ میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں

یہ سب اسی جمع کے درخت کے پھل ہیں کہ ان کا سبب محبوب حقیقی کی محبت کا غلبہ ہے کہ محبوب کے علاوہ ہر چیز ان کی نظر سے پوشیدہ ہو چکی ہے اور محبوب کے علاوہ کوئی چیز مشہود نہیں رہی اور یہ

---

[1] میں نے اللہ کے دین سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر واجب ہے اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔

مقام جہالت اور حیرت کا مقام ہے ۔ لیکن یہ وہ جہالت ہے جو محمود ہے اور وہ حیرت ہے جو ممدوح ہے

اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس جمع کے مرتبے سے بلند تر سیر واقع ہوتی ہے اور اس جہالت کے ساتھ علم جمع ہوتا ہے اور حیرت کے ساتھ معرفت شامل ہوتی ہے اور فرق اور تمیز پیدا ہوتی ہے اور سُکر سے سہو میں آتا ہے تو حقیقی اسلام کی دولت ظاہر ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت میسر آتی ہے۔ تو یہ اسلام و ایمان زوال سے محفوظ ہے اور کفر کی سرایت کرنے سے مامون۔ منقول دعاؤں میں آیا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ اِیْمَانًا لَیْسَ بَعْدَہٗ کُفْرٌ (اے اللہ میں تجھ سے وہ ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہیں ہے۔)

اور یہی وہ ایمان ہے جو زوال سے محفوظ ہے ۔ آیت کریمہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ (خبردار! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے)

میں ایمان والوں کے حال کا نشان ہے کیونکہ ولایت ایمان کے بغیر متصور نہیں ہے ۔ اگرچہ مقامِ جمع میں بھی ولایت کا نام لیا جاسکتا ہے لیکن نقص اور قصور ہر وقت اس مرتبہ کو دامن گیر ہے ۔ کیونکہ کمالِ ایمان اور معرفت میں ہے نہ کہ کفر و جہالت میں اگرچہ وہ کوئی سا کفر ہی کیوں نہ ہو پس جو بات شیخ نے کہی تھی وہ درست ہوئی کہ جب تک کفرِ طریقت سے متحقق نہ ہو حقیقت اسلام سے مشرف نہیں ہوتا۔

اور وہ جو کہا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کا سر نہ کاٹے مسلمان نہیں ہوتا ۔ اس بھائی سے مراد ہمزاد شیطان ہے جو اس کا ساتھی ہے اور ہمیشہ اس کو برائی اور فساد کی راہنمائی کرتا ہے حدیث میں آیا ہے ۔ علیٰ قائلہ الصلوٰۃ والسلام کہ کوئی بھی آدم کا بیٹا ایسا نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ایک جن ساتھی نہ ہو صحابہ کرام نے پوچھا اے اللہ کے رسول آپ کے ساتھ بھی جن ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بھی ہے ۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اس پر مدد دی ہے کہ میں اس کی برائی سے محفوظ رہتا ہوں ۔ یہ معنی اس صورت میں ہے کہ لفظ

فَاَسْلَمُ

جو حدیث میں واقع ہوا ہے صیغہ متکلم سے روایت کیا جائے اور اگر ماضی غائب کے صیغہ

سے روایت کیا جائے۔ تو معنی اس طرح ہوں گے کہ وہ میرا ساتھی مسلمان ہو چکا ہے اور یہ آخری معنی مشہور ہے اور اس ساتھی کے قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت نہ کی جائے اور اس کو ذلیل و خوار رکھا جائے۔

سوال:۔

آدمی عقل و فراست کے باوجود اس شیطان سے کیوں مغلوب ہو جاتا ہے اور کیوں اس کی بُری دلالت سے موافقت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں کا کیوں ارتکاب کرتا ہے۔؟

جواب:۔

شیطان فتنہ اور بلا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لئے مسلط کیا ہے اور اس کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے اور اس کے احوال پر ان کو اطلاع نہیں دی ہے اور اس کو ان کا حال دیکھنے کی طاقت دی ہے اور وہ بندوں کے رگ و پوست میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ بڑا سعادت مند ہے وہ آدمی جو ایسی بلا کے کید و مکر سے خداوند تعالیٰ کی حفاظت سے محفوظ رہے۔ اس کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں اس کی تدبیر کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور سعادت مندوں کو دلیر کیا ہے۔ ہاں خداوند تعالیٰ کی مدد سے شیطان اس تسلط کے باوجود لومڑی کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس کے فضل کی امداد کے بغیر وہ پھاڑنے والا شیر ہے۔

ؔ[1] تو مرا دل دہ و دلیری بیں

روبہ خویش خوان و شیری بیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان آدمی کی خواہشات کی راہ سے آتا ہے اور اس کو مرغوب چیزوں کی راہنمائی کرتا ہے تو لازماً وہ نفس امارہ کی مدد سے جو کہ گھر کا دشمن ہے اس پر غلبہ پا لیتا ہے اور اس کو اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے۔ شیطانی تدبیر بذاتِ خود کمزور ہے۔ وہ گھر کے دشمن کی مدد سے اپنا کام کرتا ہے۔ اصل میں ہماری مصیبت ہمارا نفس امارہ ہے جو ہمارا جانی دشمن ہے۔ کوئی چیز بھی اپنی آپ دشمن نہیں ہوتی سوائے اس خسیس کے۔ بیرونی دشمن اسکی امداد سے اپنا کام کرتا ہے پس پہلے اپنے نفس کا سر کاٹنا چاہیئے اور اپنے نفس کی اطاعت سے نکلنا چاہیئے اور اس کو خوار ذلیل رکھنا چاہیئے۔ ساتھی کا سر اس جہاد کے ضمن میں خود بخود کٹ جائے گا۔ اور خوار و ذلیل ہو جائے گا۔

---

[1] تو مجھے دل دہ اور دلیری دیکھو اپنی لومڑی کہہ اور شیری دیکھ۔ ۱۲

اس آدمی کی راہ کا حجاب اس آدمی کا اپنا نفس ہے اور بھائی خارج از بحث ہے جو کہ دور سے برائی کی دعوت دیتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم سے ہٹا کر ٹیڑھی راہوں کی طرف بلاتا ہے۔ نفس کی فرمانبرداری کے بعد خداوند تعالیٰ کی مدد سے اس خارجی دشمن کی مدافعت آسان طریقہ سے متصور ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ (میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے)۔

ان بندوں کے لئے بشارت ہے جو نفس کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں اور معبودِ حقیقی کی عبادت میں مشغول ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی مدد دینے والا ہے۔

اور وہ جو کہا ہے کہ "جب تک اپنی ماں سے جنت نہ ہو مسلمان نہیں ہوتا" ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں" سے مراد اس کا عین ثابتہ ہو کہ وہ خارج میں اس کے وجود کے ظہور کا سبب ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں عین ثابتہ کو "ماں" سے تعبیر کرتا آیا ہے۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ شعر

وَلَدَتْ اُمِّیْ اَبَاهَا[1]
اِنَّ ذَا مِنْ عَجَبَاتٍ

ماں سے مراد اپنے عین ثابتہ کو لیا ہے اور اس ماں کے باپ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ کہ عین ثابتہ اس اسم کا ظل و عکس اور پرتو ہے اور چونکہ اس اسم جل شانہٗ کا خارج میں ظہور اس عین ثابتہ کے ذریعے ہوا ہے لہٰذا اس کو تعین وجوبی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس طائفہ علیہ کے نزدیک تعینات پانچ ہیں کہ ان کو تنزلات خمسہ کہتے ہیں اور حضرات خمس بھی کہتے ہیں۔ دو تعین تو مرتبۂ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور تین تعین مرتبۂ امکان میں اور دو تعین وجوبی تعین وحدت اور تعینِ واحدیت ہے کہ دونوں مرتبۂ علم میں ہیں فرق اجمال اور تفصیل علمی کا ہے۔

اور تین تعین جو مرتبۂ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔ وہ تعینِ روحی اور تعینِ مثالی اور تعین جسدی ہے اور چونکہ عین ثابتہ جو مرتبۂ واحدیت میں ہے تو ضروری ہے کہ اس کا تعین وجوبی ہے اور چونکہ اس ممکن شخص کی حقیقت وہی عین ثابتہ ہے جو کہ تعینِ وجوبی رکھتا ہے اور یہ شخص اس عین کے لئے ظل کی طرح ہے۔ پس اس شخص کی ماں عالمِ وجوب سے ہوگی۔ کہ اس کو عالمِ ظہور میں امکان دیا ہے۔ اور ماں سے جنت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا تعین امکانی تعین وجوبی سے جو کہ اس کی حقیقت ہے متحد ہو جائے۔

---

[1] میری ماں نے میرے باپ کو جنا اور یہ عجیب چیزوں میں سے ہے۔

چوں ممکن گرد امکان بر فشاند[1]

بجز واجب در و چیزے نہ ماند

یعنی اس کا تعین امکانی اس کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتا ہے اور اپنی انا کو تعین وجوبی پر اطلاق کرتا ہے لیکن اس معنی سے نہیں کہ تعین امکانی نفس الامر میں تعین وجوبی سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ وہ محال ہے اور الحاد اور بے دینی کو مستلزم ہے۔ اس لئے کہ اس جگہ معاملہ شہود کا ہے اگر تعین کا زوال ہے تو بھی شہود سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اگر اتحاد ہے تو بھی شہود سے ہے۔

بیت۔ نہ آں ایں گردد و نے ایں شود آں[2]

ہمہ اشکال گردد بر تو آساں

اور جب وہ شخص اپنے اس تعین کو اس تعین سے متحد پاتا ہے تو اس کا امیدوار ہو جاتا ہے کہ امکانی آلودگیوں سے آزاد ہو جائے اور اسلام اور فرمانبرداری کی دولت سے مرتبۂ وجوب سے مشرف ہو جائے۔

جاننا چاہیئے کہ تنزلات خمس جو صوفیا نے کہے ہیں صرف اعتبارات ہیں وجود میں وہ شہود اور کشف سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نہ یہ کہ فی الحقیقت تنزل اور تغیر و تبدل ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو حدوث اکوان کے ساتھ اپنے اسماء اور صفات اور ذات میں متغیر نہیں ہوتا۔

صوفی اپنے اندازہ دید کے مطابق جو کہ غلبۂ حال اور سکر کا متقضی ہے کچھ چیزیں زبان پر لے آتے ہیں۔ ان کو ظاہر پر محمول نہ کرنا چاہیئے اور ان کی تاویل اور توجیہہ میں مشغول ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مست لوگوں کا کلام ظاہر سے پھیر دینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

جب یہ بیقراری پیدا کرنے والی باتیں تم نے ایک بزرگ سے حاصل کر لیں تو ضرورت کے لئے ان کے حل میں کچھ لکھا گیا ورنہ یہ فقیر اس طرح کی مخالفت نما باتوں میں اپنے آپ کو کبھی مشغول نہیں کرتا۔ اور ان کے رد و قبول کے متعلق لب نہیں کھولتا۔ اے ہمارے رب ہمیں ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے اور ہمارے قدم مضبوط رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔

الحمد للہ رب العالمین اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ دائماً و سرمداً و علیٰ آلہ الکرام و صحبہ العظام الی یوم القیام۔

---

[1] جب ممکن امکان کی گرد جھاڑ دیتا ہے تو اس میں سوائے واجب کے اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ ۱۲

[2] نہ وہ یہ ہو جاتا ہے اور نہ یہ وہ بن جاتا ہے۔ سب اشکال تجھ پر آسان ہو جائیں گے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۴۳

محمد امین کی والدہ کی طرف صادر فرمایا

(نصیحت اور ذکر الٰہی کی ترغیب اور دنیا کی محبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں)

وہ نصیحت جو لکھی جاتی ہے سب سے پہلے علماء اہل سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم جو کہ فرقہ ناجیہ ہے کی رائے کے مطابق عقائد کی درستی ہے اور عقائد کی درستی کے بعد احکام فقہیہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تعمیل سے چارہ نہیں ہے۔ اور وہ چیزیں جو منع ہیں ان سے پرہیز کرنے سے گزارہ نہیں ہے۔ پنج وقت نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے اس کی شرائط کی رعایت اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے اور اگر نصاب زکوٰۃ حاصل ہو جائے تو زکوٰۃ دینے سے بھی چارہ نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے زیور میں بھی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے اور اپنے اوقات کو لہو ولعب میں صرف نہ کرنا چاہیئے۔ اور بے کار کاموں میں اپنی قیمتی عمر کو تلف نہ کرنا چاہیئے پھر اگر وہ امور ملیہ اور شرعی ممنوعات میں صرف ہو تو اس کا کیا حال ہے۔ اور سرود اور نغمہ کی رغبت نہ کریں اور ان کی لذت پر فریفتہ نہ ہوں کہ وہ شہد بلا زہر ہے اور شکر آلودہ سم ہے اور آدمیوں کی غیبت اور سخن چینی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں کہ ان دو بداخلاقیوں کے ارتکاب میں شرعی وعید وارد ہوئی ہیں۔ اور جھوٹ کہنے اور بہتان لگانے سے بھی پرہیز ضروری ہے کہ یہ دو اخلاق رذیلہ تمام دینوں میں حرام ہیں اور ان کے مرتکب کو وعید کا وعدہ سنایا گیا ہے۔

اور خلقت کے عیوب اور گناہوں اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا اور ان کو معاف کر دینا ہمت کے کاموں میں سے ہے اور غلاموں اور نوکروں پر مشفق ومہربان رہنا چاہیئے اور ان کی کوتاہیوں پر مواخذہ نہ کرنا چاہیئے اور سبب اور بے سبب ان بد نصیبوں کو مارنا اور گالی دینا نامناسب اور نا ملائم ہے۔ اور اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنا چاہیئے جو کہ جناب قدس خداوندی جل سلطانہ کی نسبت ہر وقت ہم سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا اور روزی نہیں روک رکھتا۔

اور عقیدہ کی درستی اور احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بعد اپنے اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مستغرق

رکھیں اور اس طریقہ کے مطابق کہ آپ نے ذکر کا طریقہ سیکھا ہے۔ عمل کرنا چاہیئے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی ہو اس کو اپنا دشمن سمجھ کر اس سے پرہیز لازم جانیں۔

بیت:-

ہرچہ[1] جز ذکر خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

آپ کو بالمشافہ بھی کہا گیا ہے کہ امور شرعیہ میں جتنی احتیاط کی جائے گی اتنا ہی مشغولی میں اضافہ ہوگا۔ اور اگر احکام شرعیہ میں سستی کرو گے تو مشغولی کی لذت اور شیرینی برباد کرو گے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ۔

مکتوب نمبر ۳۵

مرزا منوچہر کی طرف صادر فرمایا

(تعزیت، نصیحت اور جوانی کو غنیمت سمجھنے کے بیان میں)

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ برخوردار سعادت اطوار کو خوش او جمعیت سے رکھے اور گزرے ہوئے غم واندوہ کو ان کے حق میں اچھی طرح تلافی فرمائے۔

اے فرزند اقبال آثار! شروع جوانی کا زمانہ جس طرح ہوا و ہوس کا وقت ہے اسی طرح علم حاصل کرنے اور عمل کرنے کا بھی وقت ہے۔ ہر وہ عمل جو شریعت غرا کے مطابق اس وقت میں نفس کے غضبی وشہودی موانع کے غلبہ کے باوجود وجود میں آئے۔ وہ اس عمل کی نسبت کئی گناہ زیادہ فضیلت اور اعتبار اور شمار رکھتا ہے جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں آئے کیونکہ روکنے والے کے وجود نے جو کہ رنج ومحنت کا باعث ہے۔ اس کی شان کو آسمان پر پہنچا دیا ہے اور رکاوٹ پیدا کرنے والے کے نہ ہونے نے جو کہ محنت ومشقت وناپسندیدگی کے عدم کو مستلزم ہے۔ اس کے معاملہ کو زمین پر پھینک دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خواص بشر خواص فرشتگان سے بہتر ہیں کہ انسان کی اطاعت موانع کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور فرشتے کی عبادت موانع کی مزاحمت کے بغیر ہے۔ سپاہیوں کے اعتبار اور اعتماد

---

[1] جو کچھ بھی اچھے خدا کے ذکر کے سوا ہے اگر وہ شکر کھانا بھی ہو تو بھی جان کندن ہے۔

کا وقت دشمنوں کے غلبہ کا وقت ہے جو کہ حکومت کے موانع ہیں کہ ایسے وقت میں ان کا تھوڑا سا تردد بھی کئی گنا فضیلت و اعتبار رکھتا ہے۔ اس تردد کی نسبت جو اس وقت کے علاوہ وقوع میں لائیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ ہوا و ہوس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی رضا ہے جو کہ نفس اور شیطان ہیں۔ اور شریعت غراء کے مطابق علم حاصل کرنا اور عمل کرنا حضرت رحمان جل سلطانہ کی رضا ہے عقلمندی اور دانائی سے دور ہے کہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں کو راضی کریں اور اللہ تعالیٰ جو نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ ناراضگی میں رہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۳۶

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

اعذاب قبر کے منکرین کے شبہات کے دور کرنے کے بیان میں

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کچھ لوگ عذاب قبر میں جو کہ صحیح و مشہور احادیث سے بلکہ قرآن کی آیتوں سے بھی ثابت ہے شک رکھتے ہیں۔ بلکہ قریب ہے کہ اس کے محال ہونے کا یقین کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ ان کے اشتباہ کا پیشوا غیر مدفون مردوں کے احوال کا احساس ہے کہ وہ ایک طریقے اور استقامت و دوام کے حال پر رہتے ہیں۔ جو کہ درد اور عذاب کے منافی ہے کہ حرکت اور بیقراری اس کے لوازم میں سے ہے۔

جواب:۔

اس اشکال کا حل یہ ہے کہ عالم برزخ کی زندگی جو کہ قبر کا مقام ہے۔ دنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے کہ احساس اور ارادی حرکت اس کے لوازمات میں سے ہیں کہ اس دنیا کا انتظام ان دو امور سے وابستہ ہے اور برزخ کی زندگی میں کوئی حرکت درکار نہیں ہے بلکہ اس برزخی دنیا کے منافی ہے اس جگہ صرف احساس کافی ہے کہ عذاب و درد کو محسوس کرے۔ پس برزخی زندگی گویا کہ نصف دنیوی زندگی ہے اور بدن سے روح کا تعلق بھی اس جگہ اس تعلق سے نصف ہے جو کہ دنیوی زندگی میں ہے پس ہو سکتا ہے غیر مدفون مردے بھی برزخی زندگی میں درد اور عذاب کا احساس کریں۔ اور کوئی حرکت و بیقراری برزخی زندگی میں ان سے وجود میں نہ آئے۔ اور وہ جو مخبر صادق صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے۔ سچ ہو۔ باوجود اس کے ہم کہتے ہیں اور اس اشکال اور اس جیسے اشکالات کے مادہ کو کاٹتے ہیں کہ نبوت کا طریقہ عقل وفکر کے طریقہ سے بالا ہے۔ وہ امور جن کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان امور کا اثبات بطور نبوت کیا جاتا ہے اور اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین کس لئے مبعوث ہوتے اور آخرت کے عذاب کو ان کی بعثت سے کیوں وابستہ کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا. (اور ہم نہیں ہیں عذاب کرنے والے یہاں تک کہ ہم بھیج لیں رسول)

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور نہ حجیت میں کامل ہے۔ حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے متحقق ہوئی ہے۔ اور

مکلفین

کے عذر کے بیان کو بند کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (رسول خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت رسولوں کے بعد اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔

اور جب بعض امور کے ادراک میں عقل کا قصور ثابت ہوگیا تو پھر تمام احکام شرعیہ کو عقل کی میزان میں تولنا اچھا نہ ہوگا۔ اور حقیقت میں اس حکم کی تطبیق کا التزام کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ عقل کو مستقل تسلیم کیا جائے اور نبوت کے طریقہ کا انکار کیا جائے۔ اللہ ہمیں اس سے بچائے۔

سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے اور رسالت کی تصدیق کرنے کی فکر کرنا چاہیئے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا سمجھا جائے اور اس کے وسیلہ سے شکوک وشبہات کے اندھیروں سے خلاصی میسر آئے اصل کو عقلی طور پر ثابت کرنا چاہیئے تاکہ فروع بے تکلف سمجھ میں آئیں اور معلوم ہو جائیں۔ ہر شاخ کو اصل کے اعتبار کے بغیر عقلی طور پر ثابت کرنا بہت مشکل ہے اور اس تصدیق تک پہنچنے اور اطمینان قلب حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ — خبردار اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ ان کو خوشخبری ہے اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

نظر واستدلال کی راہ سے اس مطلبِ بلند پر پہنچنا بہت ہی دور کی بات ہے۔

لہ پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

جاننا چاہیئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے اثبات اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد استدلال کرنے والوں سے ہے اور اس وقت میں اس کا ان اکابرین کی باتوں کی تقلید کرنا عین استدلال ہے مثال کے طور پر ایک آدمی نے اصل کو استدلال سے ثابت کیا ہو تو اس وقت وہ تمام شاخیں جو اس اصل سے پیدا ہوں گی۔ سب اس استدلال سے مستند ہوں گی اور اصل کے استدلال سے تمام فروع کے اثبات میں استدلال کرنے والا ہوگا۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۳

محمد طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ جو کچھ بھی اس جمیل مطلق کی طرف سے آئے جمیل ہوتا ہے)

الحمد للہ رب العالمین دائماً علیٰ کل حال

پراگندہ خبروں سے پریشان اور دل تنگ نہ ہوں کہ جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہٗ کی طرف سے آئے اچھا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ جلال کی صورت میں ظاہر کرے لیکن حقیقت میں وہ جمال ہوتا ہے۔ یہ بات تصنع اور تکلف پر محمول نہ سمجھیں بلکہ یہ بالکل حقیقت اور سراسر مغز ہے۔ یہ بات کہنے اور لکھنے سے درست نہ ہوگی۔ اگر دنیا میں ملاقات میسر ہوئی تو بہتر ورنہ آخرت کا معاملہ قریب ہے۔

لہ استدلال کرنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں اور لکڑی کے پاؤں سخت کمزور ہوتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی)

مجبوروں کے لئے تسلی بخش ہے۔
وہ گرامی نامہ جو آپ نے درویش محمد علی کشمیری کے ہاتھ بھیجا تھا، پہنچا۔ اور جو کچھ آپ نے لکھا تھا۔ اس کی اطلاع ہوئی اس کے جواب میں وقت کے تقاضا کے مطابق جو کچھ ہوسکا لکھا۔ دوست اور فرزند سب تسلی سے رہیں اور اپنے مقام پر ثابت اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں۔

مکتوب نمبر ۳۶

ملا ابراہیم کی طرف صادر فرمایا

ان کے اس سوال کے جواب میں کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ الحدیث اور ارباب فرقہ کے درجہ کی تحقیق

جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی مراد جو کہ حدیث میں اس امت کے بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جانے کے متعلق ہے۔

كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً (ایک کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے)

ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور ان کا عذاب میں رہنا ہے نہ کہ آگ میں ہمیشہ کا رہنا اور ان کو ہمیشہ کا عذاب ہونا کیونکہ وہ ایمان کے منافی اور کافروں سے مخصوص ہے۔

خلاصہ کلام جب آگ میں ان کے داخل ہونے کا سبب ان کے برے عقائد ہیں تو لازماً ان فرقوں کا ہر ایک فرد آگ میں داخل ہوگا اور اپنے عقیدہ کی گندگی کے مطابق اسے عذاب ہوگا۔ برخلاف اس ایک فرقہ کے کہ ان کے عقیدے آگ کے عذاب سے نجات بخشنے والے ہیں۔ اس قدر ضرور ہے کہ اگر ان میں سے بعض آدمی برے اعمال کے مرتکب ہوں گے اور وہ اعمال توبہ اور شفاعت سے معاف نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ گناہ کے اندازے کے مطابق آگ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں موجود ہو۔

پس دوسرے فرقوں میں آگ میں داخلہ ان کے تمام افراد کے لئے ثابت ہے۔ اگرچہ خلود نہ ہو اور اس فرقہ ناجیہ کے حق میں دخول نار بعض آدمیوں سے مخصوص ہے۔ جنہوں نے برے اعمال کئے ہیں۔ اور کلمہ

كُلُّهُمْ میں اس بیان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور چونکہ یہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جراءت نہیں کرنی چاہیئے جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کر دیں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو قبول نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیئے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانے اور اسی کی بات مضبوط ہے۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ نصف یوم سے مراد کہ اس امت کے فقیر اغنیاء سے پہلے اتنی مدت جنت میں جائیں گے وہ دنیا کے پانچ سو سال ہیں اس لئے کہ اللہ جل وعلا کے نزدیک ایک دن ہزار سال کا ہے۔ اور یہ آیت کریمہ

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال کا ہے۔)

اس معنی پر دلیل ہے اور اس مدت کا اندازہ علم الٰہی جل شانہ کے سپرد ہے۔ بغیر اس کے کہ متعارف سال و ماہ اور شب و روز متحقق ہوں۔

اور فقیر سے مراد صبر کرنے والا فقیر ہے جو کہ شرعی احکام کی بجا آوری کرے اور شرعی ممنوعات سے پرہیز کرے۔ اور فقر میں درجات اور مراتب ہیں۔ ان میں سے بعض بعض سے بلند ہیں اور ان مراتب میں سے اعلیٰ ترین مرتبہ مقام فنا میں ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا سب کو ناچیز سمجھے اور فراموش کر دے۔ اور جو آدمی فقر کے تمام مراتب کا جامع ہے وہ افضل ہے۔ اس آدمی کی نسبت سے جو بعض مراتب رکھتا ہو اور بعض نہ رکھتا ہو۔ پس فنا کے باوجود جو ظاہری فقر بھی رکھتا ہے وہ افضل ہے اس آدمی کی نسبت سے جو فنا کے ساتھ ظاہری فقر نہیں رکھتا فافہم

مکتوب نمبر ۳۹

مولانا محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ صوفیاء کے علم الیقین اور فلاسفہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

صوفیاء کے نزدیک علم الیقین اس یقین سے عبارت ہے جو کہ اثر سے موثر پر استدلال سے

حاصل ہو اور چونکہ یہ معنی اہل نظر اور اہل استدلال کو بھی میسر ہے تو صوفیہ کے علم الیقین میں کیا فرق ہوتا ہے اور صوفیاء کا علم الیقین کشف اور شہود میں کیوں داخل ہوتا ہے اور علماء کا علم الیقین کس وجہ سے فکر و نظر کی تنگی سے باہر نہیں آتا؟

جاننا چاہیئے کہ دونوں جماعتوں کے علم الیقین میں اثر کا شہود لازم ہے تاکہ اس جگہ سے مؤثر کا سراغ لگایا جا سکے جو کہ غیر مشہود ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ تعلق جو اثر اور مؤثر کے درمیان حاصل ہے اور اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک پہنچنے کا سبب ہے۔ صوفیاء کے علم الیقین میں وہ تعلق بھی مشہود و مکشوف ہے۔ اور اہل استدلال کے علم الیقین میں وہ واسطہ نظری ہے جو کہ فکر و دلیل کا محتاج ہے تو لامحالہ اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود تک انتقال صوفیاء کے لئے حدسی بلکہ بدیہی ہوتا ہے اور علماء کے لئے یہ انتقال نظری اور فکری ہوتا ہے۔

پس پہلی جماعت کا الیقین کشف اور شہود میں داخل ہوتا ہے اور دوسری جماعت الیقین استدلال کی تنگی سے باہر نہیں آتا۔ اور صوفیا کے علم الیقین میں استدلال کا اطلاق ظاہر اور صورت پر مبنی ہے جو کہ اثر سے مؤثر تک انتقال کو متضمن ہے اور حقیقت میں کشف و شہود ہے۔ برخلاف علماء کے علم الیقین کے کہ وہ حقیقتاً استدلالی ہے۔ اور چونکہ یہ باریک فرق اکثر لوگوں پر پوشیدہ رہا ہے تو ناچار وہ مرتبۂ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی نارسائی کی وجہ سے بعض بزرگوں پر اعتراض کی زبان دراز کرلی ہے۔ جنہوں نے صوفیاء کے علم الیقین میں اثر سے مؤثر پر استدلال سے تفسیر کی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان کو حقیقت الامر کی اطلاع نہیں ہے۔ اور اللہ حق کو حق کرتا ہے اور وہی رستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۸

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

(انہوں نے آنجناب سے اپنے متعلقین سمیت سفر حج کے متعلق مشورہ طلب کیا تھا، ان کے جواب میں)

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے فقراء کے احوال و اطوار تعریف کے لائق ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت کی دعا ہے۔ جو گرامی نامہ آپ نے از روئے شفقت اس فقیر کے نام لکھا تھا اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے شوق کا اظہار فرمایا ہے کہ "حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں اپنے متعلقین کے ساتھ سکونت اختیار کروں اور وہیں دفن ہو جاؤں"۔

میرے مخدوم مکرم! متعلقین کا جانا نظر میں نہیں آتا۔ بلکہ نزدیک ہے کہ ان کو روکنا معلوم ہو جائے۔ اگر آپ تنہا جائیں تو نظر میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور امید ہے کہ سلامتی سے پہنچ جائیں گے اور معاملہ اللہ سبحانہٗ کے سپرد ہے۔

دوسرا آپ نے سیادت مآب کے پارہ کے متعلق کچھ لکھا ہے کہ اطباء اس کے مضر ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ شفقت آثار! جتنا بھی غور سے دیکھا جاتا ہے اس پارہ سے کوئی ضرر نظر میں نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ ایک تاریکی سی اس جگہ محسوس ہوتی ہے کہ یہ ضرر تاریکی کے سوا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

مختصر یہ کہ اطباء کا ضرر مفقود ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی بہتر جانیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۴۱

ایک نیک خاتون کی طرف صادر فرمایا

(عورتوں کے متعلق ضروری نصائح اور اس آیت کریمہ کے مطلب میں یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ الآیۃ)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ

اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی۔ اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر من گھڑت بہتان نہ لگائیں گی اور کسی اچھے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کر لو۔ اور ان کیلئے اللہ سے بخشش مانگ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے

إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ والا مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے بیعت صرف قول سے ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہرگز کسی بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ سے نہیں چھوا۔ اور برے اور ردی اخلاق عورتوں میں مردوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس بنا پر عورتوں کی بیعت کے وقت مردوں کی بیعت سے کچھ زائد احکام درمیان میں لائے گئے۔ اور خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس وقت ان برے اخلاق سے نہی فرمائی گئی ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانا چاہیئے کیا وجوب وجود میں اور کیا استحقاق عبادت میں کیونکہ جب کے اعمال ریا اور سمعہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا طلب اجر کے خیال سے اگرچہ وہ بات اچھے ذکر ہی سے کیوں نہ ہو۔ پاک نہ ہو وہ آدمی شرک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتا اور موحد اور مخلص نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلشِّرْكُ فِيْ اُمَّتِيْ اَخْفٰى مِنْ دَبِيْبِ النَّمْلِ الَّتِيْ تَدِبُّ فِيْ لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ عَلٰى صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ — میری امت میں شرک چیونٹی کے اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلنے کے نشان سے بھی زیادہ مخفی ہے۔

بیت۔

لاف بے شرکی مزن کان از نشانے پائے مور
در شب تاریک بر سنگ سیاہ پنہاں تر است [لہ]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

[لہ] اِتَّقُوا الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ قَالُوْا مَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلرِّيَاءُ — چھوٹے شرک سے بچو۔ صحابہ نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ریا۔ (دکھلاوا)

لہ بے شرکی کا دعویٰ نہ مار کہ وہ سیاہ پتھر پر اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے ۱۲۔

لہ پارہ ۲۸، سورۃ

لہ ابن مردویہ۔ ترغیب ترہیب منذری ۱۲۔

اور شرک کی رسومات کی تعظیم اور کفر کے مواسم کے احترام کو شرک میں ایک مضبوط پیشنت حاصل ہے اور دو دینوں کی تصدیق کرنے والا بھی مشرک ہے اور اسلام اور کفر کے مجموعی احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک ہے۔ کفر سے بیزاری اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری توحید کی شرط ہے۔

اور بیماریوں اور مرضوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہو چکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے۔ اور گھڑے ہوئے یا بن گھڑے پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا نفس کفر اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض گمراہوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا[1]

وہ چاہتے ہیں کہ اپنا فیصلہ شیطانوں کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں پھینک دے۔

اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّیٰ اسمائے سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں اور شرک اور مشرکوں کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں۔ بخصوصاً یہ بات ان کی نیک و بد سے چیچک کی وبا پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں سیتلہ کہتے ہیں مشہود و محسوس ہے کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی جو اس باریک شرک سے خالی ہوگی اور استمداد کی رسومات میں سے کسی رسم کا اقدام نہ کرتی ہو۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

اور ہندوؤں کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا اور ان دنوں میں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بجالانا بھی شرک کو مستلزم اور کفر کا مستوجب ہے۔ جیسا کہ کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتے اور اسے اپنی عید بناتے ہیں۔ اور کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور اپنے برتنوں پر کافروں کی طرح اس موسم میں رنگ کرتے ہیں اور ان کو سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر بھیجتے ہیں اور ان دنوں خاص اعتبار اور اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے اور دین اسلام سے کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ — اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر بھی

[1] سورہ نساء پارہ ۵۔

مُشْرِكُوْنَ۔ مشرک رہتے ہیں۔

اور حیوانات کو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو داخل شرک کیا ہے[1] اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور اس ذبح کو جنوں کے ذبیحوں کی جنس سے قرار دیا ہے جو کہ شریعت میں ممنوع ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔

نذر کی بہت سی اقسام ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کرنے کا ارتکاب کریں۔ اور جنوں کے ذبیحوں سے ملحق کریں اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبیہ پیدا کریں۔ اور اسی قسم کا عورتوں کا وہ روزہ بھی ہے جو کہ عورتیں بیبیوں اور پیروں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان کے اکثر نام اپنی طرف سے تراش کر اپنے روزوں کو ان کے نام نیت کرتی ہیں اور ہر روزہ کے افطار کے وقت ایک خاص طعام مخصوص طریقہ سے مقرر کرتی ہیں اور روزوں کے لئے دنوں کی تعیین بھی کرتی ہیں۔ اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے ان پیروں سے اپنی حاجتیں چاہتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان کی طرف سے جانتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر کی عبادتوں کے ذریعہ اپنی حاجت کو چاہنا ہے۔ اس کام کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ[2] (کہ روزہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)

یعنی روزہ صرف میرے لئے ہی خاص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالےٰ کے ساتھ شرک جائز نہیں ہے۔ لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے اہتمام اور اس عبادت کے شرک کی نفی کی تاکید کے لئے ہے۔

---

[1] فقہی روایات میں تقرب کی نیت سے ایسا کرنے کو شرک کہا ہے۔ تقرب کے معنی عبادت کے ہیں جو شخص مشائخ کو معبود جان کر ایسا کرے۔ بلا شبہ مشرک ہے اور اگر محض ایصال ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے تو بالکل جائز اور روا ہے کما فی التفسیرات الاحمدیہ وما اہل بہ لغیر اللہ۔ تقرب کی قید اڑا کر مطلقاً شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ یہ فن کی زیادتی ہے۔

[2] بخاری و مسلم شریف

اور بہانہ ہے وہ جو بعض عورتیں اس فعل کی برائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا تعالیٰ کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کے لئے دنوں کی تعیین کس لئے ہے اور کھانے کی تخصیص اور افطاری میں مختلف برائیوں کے اوضاع واطوار کس لئے ہیں۔

بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت حرام امور کا ارتکاب کرتی ہیں۔ اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بے ضرورت سوال اور گدا گری کرتی ہیں۔ اور اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب سے مخصوص سمجھتی ہیں۔ یہ خود عین گمراہی ہے اور شیطان مردود کی تزیین ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں۔

اور دوسری شرط جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائے ہیں وہ چوری کرنے سے ممانعت ہے کہ وہ کبیرے گناہوں سے ہے اور چونکہ یہ بدخصلت عورتوں کے اکثر افراد میں پائی جاتی ہے اور کم ہی کوئی ایسی عورت ہوگی کہ اس برائی کی باریکیوں سے خالی ہو تو اس برائی سے ممانعت ان کی بیعت کے لئے شرط قرار پائی۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے مال میں اُن کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے باکی سے تلف اور خرچ کرتی ہیں۔ وہ چوری میں داخل ہے اور چوری کے کبیرہ گناہ سے متصف ہیں۔ یہ بات عام عورتوں کے متعلق ہی کہی جا سکتی ہے۔ کہ ان میں یہ عادت ثابت ہے اور یہ خیانت عورتوں کے تمام افراد میں قریباً قریباً موجود ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائیں۔

کاش! اس بات کو گناہ سمجھیں اور برا تصور کریں۔ اس برائی کو حلال کرنے کا ڈر ان کے حق میں غالب ہے اور اس حلال سمجھنے کی راہ سے اس معاملہ میں کفر کا خوف زیادہ ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری کرنے سے ممانعت فرمائی کہ یہ برائی ان کے حق میں بذریعہ اس کو عام حلال سمجھنے کے ان کا کفر میں راسخ قدم ہونا ہے اور باقی تمام کبیرے گناہوں کی نسبت ان کے حق میں بدتر ہے۔

اور چونکہ عورتوں کو اپنے شوہر کا مال بار بار لینے سے خیانت کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے کی قباحت ان کی نگاہ سے زائل ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ کہ شوہروں کے علاوہ دوسروں کے املاک میں بھی ظلم سے تصرف کریں اور دوسروں کے اموال میں

بے باکی سے خیانت اور چوری کریں۔ قریب ہے کہ یہ معنی تھوڑے سے غور سے واضح اور لائح ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے اور شرک کے بعد ان کی نسبت بد اخلاقی کی قباحت متعین ہو گئی ہے۔

ذیلی بحث

ایک دن ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے پوچھا کہ جانتے ہو کہ چوروں میں سے بدترین چور کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ ہی فرمائیں۔ تو رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوروں میں سے بدترین چور وہ آدمی ہے جو اپنی نماز سے چوری کرے اور ارکان نماز کو پوری طرح مکمل ادا نہ کرے۔ اس چوری سے بھی پرہیز ضروری ہے تاکہ بدترین چوروں میں سے نہ ہو۔

حضور دل سے نماز کی نیت کرنی چاہیئے کہ نیت کے حصول کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا اور قرأت درست پڑھنی چاہیئے اور رکوع سجود اطمینان سے بجالانا چاہیئے اور قومہ جلسہ کو بھی اطمینان سے ادا کرنا چاہیئے۔ یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑا ہونا چاہیئے۔ اور ایک تسبیح کی مقدار کھڑا ہونے میں دیر کرنی چاہیئے اور دو سجدوں کے درمیان بھی اچھی طرح بیٹھنا چاہیئے اور ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنے میں دیر کرنا چاہیئے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان میسر ہو اور جو اس طرح نہ کرے وہ اپنے آپ کو چوروں کی صف میں داخل سمجھے اور وعید کا مستحق جانے۔

عورتوں کی بیعت میں تیسری شرط جو منصوص ہے وہ زنا سے نہی ہے۔ عورتوں کی بیعت کی تخصیص اس شرط سے اس لئے مشروط ہے کہ زنا کا حصول اکثر عورتوں کی رضامندی کے حصول سے وابستہ ہے کہ وہ اس عمل کے لئے اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی ہیں۔ پس عورتیں اس عمل میں سابق ہوتی ہیں۔ اور اس عمل میں ان کی رضا معتبر ہوتی ہے۔ پس عورتوں کے حق میں اس عمل سے ممانعت زیادہ مؤکد ہو گی اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ؎ — زناکار عورت اور زناکار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو کوڑے لگائیں۔

؎ سورہ نور پارہ ۱۸-۱۲۔

اور یہ برائی دنیا و آخرت میں نقصان دینے والی ہے اور تمام دینوں میں بری اور منکر ہے۔
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آنحضرت نے فرمایا "اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ چیزیں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ جو تین چیزیں دنیا میں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے سے نورانیت اور صفائی اور رونق زائل ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ زنا فقر اور محتاجی کا باعث ہے۔ تیسری یہ کہ آدمی کی عمر کو کم کرتا ہے اور وہ تین چیزیں جو زانیوں کے لئے آخرت میں ہیں۔ ان میں سے ایک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ ہے۔ دوسرا حساب میں سختی اور تیسرا آگ کا عذاب"۔۱؎

جان لیں کہ حدیث نبوی میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آنکھوں کا زنا محرمات کی طرف دیکھنا ہے۔ اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف چلنا ہے۔۲؎

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۳؎

آپ ایماندار مردوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حرام سے حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ۴؎

اور آپ ایماندار عورتوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حرام سے حفاظت کریں۔

جاننا چاہیئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔ جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کیا جائے دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو پھر دل کا بچنا مشکل ہے اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرمگاہ کو بچانا دشوار ہے۔ پس آنکھ کو محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تاکہ شرمگاہ کی

۱؎ ابو نعیم نے حلیہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی اور امام سیوطی نے اسے جامع کبیر میں بھی ذکر کیا۔

۲؎ مسلم شریف۔

۳؎ سورہ نور پارہ ۱۸۔

۴؎ سورہ نور پارہ ۱۸ - ۲۔

حفاظت ہو اور دینی اور دنیاوی خسارے تک نہ پہنچائے اور قرآن مجید میں اس سے بھی روکا ہے کہ عورتیں بیگانہ مردوں سے بدکار عورتوں کی طرح نرم اور ملائم کلام کریں۔ ایسے طریقہ پر کہ بدکار مردوں کو برے وہم میں ڈال دیں۔ اور برا طمع ان کے دل میں پیدا ہو اور عورتیں مردوں سے اچھی بات ایسے انداز سے کریں جو اس وہم و طمع سے خالی ہو۔

اور اس سے بھی روکا گیا ہے کہ عورتیں اپنے محاسن اور زینت کا اظہار مردوں کے سامنے کریں اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں

اور اس سے بھی روکا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔ تاکہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ جیسا کہ سونے چاندی کی کڑیاں وغیرہ کہ وہ حرکت میں آئیں اور آواز پیدا کریں کہ وہ عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت کا باعث ہے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو فسق تک لے جائے ممنوع اور بری ہے اس سے احتیاط کرنا چاہیئے۔ کہ محرمات کے ذرائع اور اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے تاکہ اصل محرمات سے سلامتی میسر آئے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اجنبی عورت بھی شہوت سے دیکھنے اور چھونے کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے۔ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے آراستہ کرے۔ اور اپنے آپ کو زینت دے اور مزین کرے۔ شوہر کے علاوہ مرد ہو یا عورت جیسا کہ مردوں کو بے ریش لڑکوں کی طرف شہوت سے دیکھنا اور ان کو چھونا منع ہے۔ اسی طرح حرام عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور چھونا حرام ہے۔

اس نکتہ کی اچھی طرح رعایت کرنا چاہیئے کہ یہ شاہراہ دنیا اور آخرت کے خسارہ کی طرف جاتی ہے مردوں کا عورت تک پہنچنا صنف کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے اور درمیان میں رکاوٹیں ہیں۔ برخلاف عورت کے عورت تک پہنچنے کے کہ صنف کے اتحاد کی وجہ سے اس میں کمال آسانی ہے۔ اس جگہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور عورتوں کے عورتوں کو دیکھنے اور چھونے میں مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے یا عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے سے زیادہ بلیغ انداز اور بلاغ مبین کرنا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ اولاد کے قتل سے ممانعت ہے کہ عرب کی عورتیں

اپنی لڑکیوں کو غریبی کے ڈر سے مار ڈالتی تھیں۔ یہ بدعمل جس طرح بغیر حق کے جان کو مار ڈالنے کا متضمن ہے اسی طرح اس میں قطع رحمی بھی ہے اور پھر یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی ہے۔

اور پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ بہتان اور افتراء سے ممانعت ہے۔ اور چونکہ یہ صفت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے خصوصاً اس چیز سے انہیں روکا ہے۔ یہ صفت بُری صفات میں سے بدترین صفت ہے اور رذائل اخلاق میں سے بہت رذیل خصلت ہے جو جھوٹ کی متضمن ہے۔ جو کہ تمام دینوں میں گناہ اور حرام رہا ہے۔ اور اس میں اس مومن کی ایذا بھی ہے جس کی نسبت بہتان و افتراء کیا ہے۔ اور مومن کو ایذا دینا حرام ہے اور فساد فی الارض کو مستلزم ہے جو کہ قرآن کی نص سے ممنوع و محظور و حرام و مستنکر ہے۔

اور چھٹی شرط پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور نافرمانبرداری کے گناہ سے بچنا۔ وہ جو کچھ بھی فرمائیں یہ شرط تمام اوامر کی تعمیل اور تمام شرعی نواہی سے باز آجانے کو شامل ہے۔ کیا نماز اور کیا زکوٰۃ اور کیا روزہ اور کیا حج کہ اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کو ماننے کے بعد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے پوری کوشش اور محنت سے ادا کرنا چاہیئے اور مال کی زکوٰۃ رغبت اور منت سے مصارف زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیئے اور رمضان شریف کے روزے جو کہ سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے ان کی نگہداشت کرنا چاہیئے اور بیت اللہ شریف کا حج جس کی شان میں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْحَجُّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ (حج اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کاٹ دیتا ہے)

بھی ادا کرنا چاہیئے تاکہ اسلام کو قائم رکھا جائے۔

اور اسی طرح پرہیزگاری اور تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (تمہارے دین کا تمام کارخانہ پرہیزگاری پر قائم ہے)

اور وہ نام ہے شرعی منہیات کے چھوڑ دینے کا۔ اور نشہ اور مستی لانے والی چیزوں سے شراب ہی کی طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور انہیں حرام اور برا سمجھنا چاہیئے اور راگ رنگ سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ لہو و لعب میں داخل ہے کہ حرام ہے اور آیا ہے کہ

اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا (کہ راگ رنگ زنا کا تعویذ ہے)

اور غیبت کہنے اور سخن چینی کرنے سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ شرعی ممنوع ہے۔

اور ٹھٹھا اور مذاق کرنا اور مومن کو ناحق تکلیف دینا جس صورت میں بھی ہو منع ہے اور اس سے پرہیز بھی ضروری ہے۔

اور بُرے شگون پر اعتبار نہ کریں کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور کسی بیماری کو متعدی نہ سمجھیں کہ وہ ایک کو دوسرے سے لگ جاتی ہے اور کسی مریض سے تندرست آدمی کو جا لگتی ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

لَا طِیَرَةَ وَلَا عَدْوٰی۔[۱] (نہ کوئی بدشگونی ہے اور نہ کوئی متعدی مرض)

یعنی شگونِ بد کا کوئی اصل نہیں ہے اور بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا بھی مطلقاً ثابت نہیں ہے اور کاہن اور نجومی کی بات پر بالکل اعتبار نہ کریں اور غیبی خبریں ان سے نہ پوچھیں اور ان کو غیبی امور کا جاننے والا نہ سمجھیں کہ شریعت میں ان سے روکنے کے متعلق بڑا مبالغہ[۲] آیا ہے۔ اور جادو نہ کریں اور جادوگر کے پاس نہ جائیں کہ قطعی حرام ہے اور اس کا قدم کفر میں بڑا مضبوط ہے اور کوئی کبیرہ گناہ بھی جادو اور جادوگری سے زیادہ کفر کے نزدیک نہیں ہے۔ احتیاط کرنا چاہیئے کہ اس فعل کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ بھی نہ کیا جائے کہ آیا ہے کہ مسلمان جب تک مسلمان ہے جادو اس سے وجود میں نہیں آسکتا۔ اور جب اس سے ایمان جدا ہو جائے (اللہ اس سے بچائے) تو اس وقت اس سے جادو سرزد ہو گا۔ پس گویا کہ جادو اور ایمان ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے اس نقطہ کی اچھی طرح رعایت کرنی چاہیئے تاکہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور اس عمل کی نحوست سے ایمان ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان فرمایا ہے دل و جان سے اس کی تعمیل میں کوشش کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف کرنے کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے۔ جو کہ ہمیشہ کی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اور جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قول سے ان سے بیعت[۳] فرمائی اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے بخشش مانگی وہ بخشش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے حکم سے کسی کے حق میں وقوع پذیر ہو پوری امید ہے کہ

۱۔ بخاری شریف۔

۲۔ ابو داؤد شریف، مشکوٰۃ

۳۔ معالم التنزیل۔

قبول ہو جائے گی اور وجاہت بخشی جائے گی۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی بھی اس بیعت میں داخل تھی بلکہ وہ ان عورتوں کی سردار تھی۔ عورتیں اسی کی زبان سے بات کر رہی تھیں۔ اور بیعت سے اور اس استغفار سے اس کے حق میں بہت بڑی امید ہے۔ پس عورتوں میں سے جو بھی ان شرائط کا اقرار کرے اور اس کے مطابق عمل کرے وہ حکماً اس بیعت میں داخل ہے اور اس استغفار کی برکات کی امیدوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ۔ یعنی خداوند تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کا شکر بجالاؤ اور ایمان کو درست کرو۔

شکر بجالانا احکام شریعۃ کو قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے عبارت ہے۔ نجات کا طریقہ اور خلاصی کی راہ یہی اعتقاد اور عمل میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ استاد اور پیر اسی غرض سے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی راہنمائی کریں اور ان کی برکت سے اعتقاد اور شریعت کے مطابق عمل کرنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں وہ کرتے پھریں اور جو کچھ چاہیں کھاتے رہیں اور پیر ان کی ڈھال بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچائے رکھیں کہ یہ مطلب محض ایک آرزو ہے۔ اس جگہ بے اجازت کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا۔ جب تک کہ وہ پسندیدہ نہ ہوگا۔ کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا۔ اور مرتضٰی (پسندیدہ) اس وقت ہوگا جب کہ شریعت کے مطابق عمل کرے گا اور اگر بہ تقاضائے بشریت اس سے کوئی غلطی ہو جائے گی تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہوگا۔

سوال:۔

گنہگار کو کس اعتبار سے پسندیدہ کہا جا سکتا ہے۔؟

جواب:۔

جب اللہ تعالیٰ اس کی بخشش چاہیں گے تو اس کی بخشش کے لئے درمیان میں کوئی وسیلہ لائیں گے وہ شخص اصل میں پسندیدہ ہے اگرچہ بظاہر گنہگار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر والسلام۔

لے پارہ ۵۔ سورہ نساء۔

مکتوب نمبر ۴۲

خواجہ محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

اس کو بشارت دینے کے متعلق۔

حمد و صلوٰۃ اور دعا گوئی کے بعد عرض ہے کہ گرامی نامہ جو آپ نے ملا فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ چونکہ اس میں محبت و اخلاص اور حرارت و اشتیاق تھا اس سے خوشی ہوئی۔ آپ کے خط کا مطالعہ کرتے وقت اس علاقہ میں آپ کی نورانیت بہت نظر آئی اور اس سے امید بندھی سو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔

محبت اطوار! معلوم نہیں ہو سکا کہ سیادت مآب میر محمد نعمان کے خط و کتابت چھوڑ دینے کا سبب کیا ہے۔ اگر اس طرف سے کدورت کا وہم ہو تو وہ وقوع میں نہیں آئے گی اور اس جانب سے کمال صفائی سمجھیں۔ فقیر میر کی حفاظت میں بہت ہی کوشش ملحوظ رکھتا ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ طلبہ کے کام میں کوئی سستی پیدا ہو اور سالکین کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو۔ بالکل پرندے کی طرح جو اپنے بچوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور قریباً دو ماہ ہو رہے ہیں کہ فقیر بہت کمزور ہے۔ آپ کے بعض سوالات جو پہلے خط میں لکھے گئے تھے ان کا جواب اگر صحت ہو گئی تو انشاء اللہ لکھوں گا۔ ورنہ دوستوں سے فاتحہ اور دعا کی التماس رکھتا ہوں۔

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ تم پر اور تمام اللہ والوں پر سلام ہو فرزندانِ گرامی برخوردار ہوں۔

مکتوب نمبر ۴۳

مخدوم زادگان کبار خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہما اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

ان مکالمات کے بیان میں جو کہ بادشاہ وقت مدظلہ کی مجلس میں ہوئے تھے۔

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اس علاقہ کے طور طریقے قابل تعریف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں۔ امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کے متعلق گفتگو میں سستی اور خوشامد راہ نہیں پاتی اور وہی الفاظ جو کہ خلوتوں میں اور اپنی خاص مجلسوں میں بیان کرتا تھا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مدد سے ان سلطانی مجلسوں میں بھی بیان کرتا ہوں۔ اگر ایک مجلس کی گفتگو لکھوں تو دفتر چاہیئے۔ خصوصاً آج کی رات جو کہ رمضان مبارک کی سترھویں رات تھی۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت پر ایمان اور اس میں عذاب و ثواب اور اثبات رویت باری تعالیٰ اور خاتم الرسل کی خاتمیت نبوت اور ہر صدی پر مجدد کے آنے اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا اور سنت تراویح اور تناسخ کے بطلان اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب و ثواب اور ان جیسی باتوں کے متعلق بہت سی گفتگو ہوئی اور بادشاہ نے ان کو اچھی طرح سنا۔

اور اسی طرح ان باتوں کے ضمن میں دوسری چیزیں بھی بیان ہوتی رہیں۔ مثلاً اقطاب و ابدال و اوتاد کے حالات اور ان کی خصوصیات کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ کہ بادشاہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں اور مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور ان واقعات اور ان ملاقاتوں میں شاید اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں اور راز پوشیدہ ہوں۔ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔

ختم قرآن کو سورہ عنکبوت تک پہنچا لیا ہے۔ آج رات جو ہم اس مجلس سے واپس آئے ہیں۔ تو تراویح میں مشغول ہوئے اور یہ قرآن مجید کے یاد کرنے کی دولت عظمیٰ ان فترات میں جو کہ عین جمعیت تھے حاصل ہوئی ہے۔

الحمد للہ اولاً و آخراً

مکتوب نمبر ۴۴

میر عبد الرحمٰن ولد میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا

(اخروی رؤیت کے منکروں کے شبہات رفع کرنے کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

وہ اعتراض جو رؤیت کے مسئلہ پر رکھتے ہیں بلکہ وہ دلیل جو نفی رویت پر لاتے ہیں یہ ہے۔ کہ آنکھ سے دیکھنا دیکھنے والے اور دیکھے گئے کا آپس میں مقابل و برابر ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے کیونکہ وہ جہت کو مستلزم ہے جو کہ احاطہ اور تحدید اور نہایت تک لے جاتی ہے جو نقص کو مستلزم ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا

جواب:۔ یہ ہے کہ

۔۔۔ یہ کمال پر قادر جل سلطانہٗ نے جب کہ اس کمزور اور فانی دنیوی زندگی میں آنکھ کو جو کہ دو بے حس و حرکت جوف دار پٹھوں کے ٹکڑوں سے عبارت ہے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ مقابل اور برابر ہونے کی صورت میں چیزوں کا احساس کرتی ہے اور ان کو دیکھتی ہے۔ وہ کیوں ایسا نہیں کر سکتا کہ عالم آخرت میں جو قوی اور باقی ہے۔ انہی دونوں پٹھوں کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ بے شرط مقابلہ و برابری مرئی کو دیکھ سکیں وہ مرئی (دیکھا گیا) خواہ تمام جہات میں ہو یا بے جہت ہو اس جگہ استبعاد کیا ہے اور محال کونسی چیز ہے کیونکہ فاعل جل سلطانہٗ اقتدار کے اعلیٰ مرتبہ میں ہے۔ اور قبول کرنے والا دیکھنے اور احساس کرنے کے لئے مستعد ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بعض جگہوں اور بعض زمانوں میں

حِكَمْ و مَصَالِح

کی بنا پر محاذات (برابری) کی شرط اور آنکھوں کے دیکھنے میں جہت کے تعین کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور بعض دوسرے امکنہ و ازمنہ میں اس شرط کا اعتبار نہیں فرمایا ہے اور اس شرط کے حصول کے بغیر آنکھوں کا دیکھنا مقرر کیا ہے۔ ایک مقام کو دوسرے مقام پر باوجود کمال درجہ کے اختلاف مواطن اور ان کے آثار کے قیاس کرنا انصاف سے دور ہے اور عالم ملک و شہادت کی ظاہری چیزوں پر نظر کو بند رکھنا ہے۔ اور عالم ملکوت سے عجائبات کا انکار ہے۔

سوال:۔

اگر حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ مرئی (دیکھا گیا) ہو تو چاہیئے کہ وہ محاط (احاطہ کیا گیا) اور مدرک بصر (آنکھ سے ادراک کیا گیا) بھی ہو اور وہ حد اور نہایت کو مستلزم ہے

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے)

ء

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ جائز ہے کہ وہ مرئی ہو اور محاط اور مدرک بصر نہ ہو۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ باریک بین ہے خبردار۔

مومن آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور وجدانی یقین سے معلوم کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں اور وہ لذت جو دیکھنے پر مترتب ہوتی ہے وہ بھی کمال درجہ کی اپنے اندر پائیں گے لیکن مرئی کچھ بھی ان کا

مُدْرَكٌ (ادراک کیا گیا)

نہ ہوگا۔ اور مرئی سے انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوگا اور رویت کے وجدان کے سوا اور دیکھنے کی لذت کے بغیر کوئی چیز بھی مرئی سے ان کو حاصل نہ ہوگی۔

بیت:۔ [1] عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

وہ نقصان جس کا رویت میں وہم ہے وہ مرئی کا ادراک و احاطہ ہے جو کہ اس مقام میں مفقود ہے اور صرف بے جہت رویت اور اس لذت سے جو دیکھنے والے کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے کے ثبوت میں تو کوئی نقص اور قصور نہیں ہے بلکہ مرئی کا کمال انعام و احسان ہے کہ وہ اپنے جمال پر کمال کو محبت کی آگ میں جلنے والوں پر جلوہ کرے اور رویت کے وصال کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے ان کو لذت یاب اور سیراب کرے تو اس سے کوئی نقص اور قصور اللہ تعالیٰ کی جانب قدس میں عائد نہیں ہوتا اور کوئی جہت اور احاطہ اس جگہ پیدا نہیں ہوتا۔

[2] از آں طرف نہ پذیرد کمال او نقصان
وزیں طرف شرف روزگار من باشد

یا پھر میں کہتا ہوں کہ اگر حصول رویت میں محاذات و مقابلہ شرط ہے تو چاہیے کہ جس طرح

---

[1] عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا اپنا جال اٹھا لے کہ اس جگہ ہمیشہ جال خالی ہی رہتا ہے۔ ۱۲

[2] اس طرف تو اس کا کمال کوئی نقصان قبول نہیں کرتا اور اس طرف میرے روزگار کو شرف مل جائے گا۔ ۱۲

مرئی کی جانب شرط ہے۔ رائی (دیکھنے والے) کی جانب بھی شرط ہو۔ کیونکہ مقابلہ ایک ایسی نسبت ہے جو

مُتَقَابِلَيْنِ

سے قائم ہے جو کہ رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (دیکھا گیا) ہے۔ پس لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ بھی اشیاء کو نہیں دیکھتا اور چیزوں کو دیکھنے کی صفت اس کے لئے ثابت نہیں اور یہ قرآنی نصوص کے برخلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والے ہیں)

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا)

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ۔ (اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھے گا۔)

اور پھر یہ نقص بھی ہے اور اللہ تعالیٰ سے صفتِ کاملہ کی نفی بھی ہے

سوال:۔

اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ میں رویت اس کے اشیاء کے علم سے عبارت ہے اور علم کے سوا کوئی دوسری چیز جو جہت کو مستلزم ہو نہیں ہے۔

جواب:۔

تو میں کہتا ہوں کہ شک نہیں ہے کہ رویت صفاتِ کاملہ سے ہے اور مستقل طور پر خدا تعالیٰ کے لئے نصوص قرآنی سے ثابت ہے اس کو علم کی طرف راجع کرنا خلاف ظاہر ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رویت اقسامِ علم سے ہے اور اس میں شرط محاذات کا عدم لازم نہیں آتا تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو قسم کا ہے۔ ایک قسم وہ ہے کہ جس میں معلوم کا برابر ہونا شرط نہیں ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں محاذات کی شرط ہے۔ جس کا دوسرا نام رویت ہے اور وہ ممکنات میں علم کی سب سے اعلیٰ قسم ہے کیونکہ وہ اطمینانِ قلب کے مرتبہ میں ہے کیونکہ معقولات میں تو وہم کے مقابلہ سے امن حاصل نہیں ہے اور محسوس وہ چیز ہے جو معارضہ سے آزاد ہے۔ اور اس رخنہ سے الگ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرتِ خلیل الرحمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود مُردوں کے زندہ ہونے کے یقین اور ایمان کے مُردوں کے زندہ ہونے کی رویت کا سوال کیا تاکہ اُس

سے اطمینان قلب حاصل ہو۔

جاننا چاہیئے کہ رؤیت صفاتِ کاملہ سے ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ میں موجود نہ ہوگی تو ممکن میں کہاں سے آجائے گی۔ کیونکہ ہر وہ کمال جو ممکن میں ظہور پذیر ہوا ہے وہ اس کمال کا عکس ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں موجود اور ثابت ہے۔ اللہ ایسا نہ کرے کہ کوئی کمال ممکن میں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ میں نہ ہو۔ کیونکہ ممکن اپنی ذات میں شر اور نقص ہے اگر کوئی کمال ہے تو اس میں عاریتاً" (مانگا ہوا) ہے جو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے جو کہ سب خیر و کمال ہے۔

بیت:۔ ؎ نیاوردم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

اور اصل سوال کا دوسرا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ یہ اعتراض تو اللہ تعالیٰ کے وجود میں بھی جاری ہے جس طرح رویت کی نفی معلوم ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کی نفی بھی معلوم ہوتی ہے پس یہ اعتراض صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ ناحق (وہم) ہے۔ اس کا بیان یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ موجود ہے تو اس عالم کی جہات میں سے کسی جہت میں ہوگا۔ خواہ وہ اوپر ہو یا نیچے خواہ آگے ہو یا پیچھے اور خواہ وہ دائیں ہو یا بائیں بہر حال وہ احاطہ اور تحدید کو لازم ہے جو مستوجب نقص ہے اور نقص الوہیت کے منافی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

سوال:۔

ہو سکتا ہے کہ وہ عالم کی تمام جہات میں ہو اور احاطہ اور تحدید لازم نہ آئے۔

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ عالم کی تمام جہات میں ہونے سے بھی احاطہ اور تحدید کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وہ عالم سے علیحدہ ہوگا اور علیحدہ ہونا غیریّت کو لازم ہے اور "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں" ۔ ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے اور وہ تحدید کو مستلزم ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس قسم کے طبع شدہ غیر حق شبہات سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ احکام شہادت اور احکام غیب کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے اور غائب کو حاضر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض احکام حاضر میں تو صادق ہوں اور غائب میں جھوٹے اور وہ حاضر میں کمال ہوں اور غائب میں نقص کیونکہ مقامات کا اختلاف احکام کے اختلاف کو مستلزم ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ مقامات میں بڑا دور کا فرق ہو۔ کہاں مٹی اور کہاں ربّ الارباب؟

؎ میں اپنے گھر سے کچھ نہیں لایا آپ نے تمام چیزیں دیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے کہ ایسے مشتبہ تخیلات اور توہمات سے نصوص قرآنی کا انکار نہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو نہ جھٹلائیں۔ اس قسم کے احکام منزلہ پر ایمان لانا چاہیے اور ان کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے علم کے سپرد کرنا چاہیے اور ان کی کیفیت کے ادراک کے قصور کو اپنی طرف راجع کرنا چاہیے نہ کہ اپنے ادراک کو راہنما بنا کر ان احکام کی نفی کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ سلامتی اور ثواب سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں جو حقیقت میں ثابت ہوں اور ہماری ناقص عقول کے ادراک سے بعید ہوں۔

عقل اگر کافی ہوتی تو بو علی سینا جیسا آدمی جو ارباب معقول کا پیشوا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ اس نے ایک ہی مسئلہ میں کہ

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْہُ اِلَّا اَلْوَاحِدُ۔ (ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے)

اس قدر غلطی کھائی ہے کہ وہ منصف آدمی کے دل پر ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں امام فخر الدین رازی نے اس پر طعنہ کیا ہے اور یہ عبارت لائے ہیں۔

"اور تعجب ہے اس آدمی سے جو اپنی عمر فکر میں خطا سے بچانے والے آلہ کی تعلیم اور تعلم میں ضائع کر دے۔

پھر جب اشرف و اعلیٰ مطالب کی طرف آئے تو اس سے ایسی چیزیں ظاہر ہوں جس سے بچے بھی ہنسیں۔

علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم تمام شرعی احکام کا اثبات کرتے ہیں خواہ وہ احکام سمجھ میں آئیں یا نہ ان کی کیفیت معلوم نہ ہونے کی صورت میں ان احکام کا انکار نہیں کرتے۔ مثلاً عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال اور پلصراط اور اعمال کی میزان اور ان جیسی چیزیں کہ جن کے ادراک سے ہماری ناقص عقلیں قاصر ہیں۔ ان بزرگواروں نے اپنا پیشوا کتاب و سنت کو بنایا ہے۔ اور عقول کو ان کا تابع بنایا ہے۔ اگر وہ سمجھ میں آجائیں تو بہتر ورنہ احکام شرعیہ کو قبول کرتے ہیں اور اپنے عدم ادراک کو اپنے قصور فہم پر محمول کرتے ہیں۔ دوسروں کی طرح نہیں کہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آتا ہے اور اس کو سمجھ سکتے ہیں قبول کرتے ہیں اور جو کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آتا قبول نہیں کرتے۔ شاید یہ لوگ نہیں جانتے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہی عقول کے قصور کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے مولا بیچون و بے چگون کے بعض پسندیدہ مطالب کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت کاملہ نہیں ہے۔ حجت کاملہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا — اور نہیں ہم سزا دینے والے یہاں تک کہ بھیج لیں ہم رسول۔

ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضر کی رؤیت میں اگرچہ مقابلہ و محاذات شرط ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ غائب میں یہ شرط نہ ہو جیسا کہ غائب موجود ہے۔ اور اس میں موجودات کی جہات میں سے کوئی جہت بھی نہیں ہے۔ مرئی۔ رائی کی رویت کے بغیر جہات سے پاک ہے اور رؤیت کے بعد کوئی رؤیت جہت بھی اس کے لئے ثابت نہیں ہے۔ اس جگہ صرف مقابلہ و محاذات ہے۔ اب بتاؤ اس جگہ کونسا استبعاد اور استحالہ ہے۔ بے چون کی رویت بھی بے چون ہے اس لئے کہ چون کو بیچون کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔ بادشاہ کے تحائف کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔ اس بیچون کی رویت کو چون کی رویت پر جو کہ چون کی مرئیات سے متعلق ہے۔ قیاس کرنا نامناسب ہے۔ اور انصاف سے دور ہے اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کی توفیق دینے والے ہیں۔

مکتوب نمبر ۲۵

مولانا سلطان سرہندی کی طرف صادر فرمایا

(مومن کے دل کی بزرگی مرتبہ اور اس کو ایذا نہ دینے کے بیان میں)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اور درود اور سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد اور ان کی تمام آل پر۔

اس کے بعد جان لو کہ دل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ہمسایہ ہے اور دل جتنا قریب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ سو تم اس کی ایذا سے بچو۔ خواہ وہ دل مومن ہو یا گنہگار۔ ہمسایہ اگرچہ گنہگار ہو اس کی حمایت کی جاتی ہے۔ سو تم اس سے بچ کر رہو بچ کر رہو کیونکہ کفر کے بعد جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایذا کا سبب ہے کوئی گناہ دل کے ایذا دینے جیسا نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی دل سے زیادہ قریب نہیں ہے اور جان لیں کہ تمام خلق اللہ تعالیٰ کی

غلام ہے اور معلوم ہے کہ غلام کو مارنا یا اس کی اہانت کرنا اس کے مالک کی ایذا کا سبب ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کی شان کا کہ وہ مالک علی الاطلاق ہے پس چاہیئے کہ اس کی مخلوق میں تصرف نہ کرے۔ مگر اسی اندازے کے مطابق جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایذا میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ مثلاً کنوارا زانی کہ اس کی حد سو کوڑا ہے۔ پس اگر کوئی سو پر زیادہ کرے تو وہ ظلم ہوگا۔ اور ایذا میں داخل ہوگا۔

اور جان لو کہ دل تمام مخلوقات سے افضل اور اشرف ہے۔ جیسا کہ انسان اپنے اجمال اور جمعیت کی وجہ سے عالم کبیر کی تمام چیزوں سے افضل اور اشرف ہے۔ اسی طرح دل انسان کے اندر کی تمام چیزوں سے اپنے کمال بسیط ہونے اور اجمالیت اور شمولیت کی وجہ سے افضل ہے اور جب کوئی چیز اجمال میں زیادہ اور جمعیت میں اکثر ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اقرب ہوگی۔ اور انسان کے اندر جو کچھ ہے وہ یا تو عالم خلق سے ہے یا عالم امر سے اور دل برزخ ہے۔

اور مراتب عروج میں انسان کے لطائف اپنے اصل کی طرف عروج کرتے ہیں۔ مثلاً اس کا پہلا عروج پانی کے اصل کی طرف ہوتا ہے۔ پھر ہوا کے اصل کی طرف پھر آگ کے اصل کی طرف پھر لطائف کے اصول کی طرف پھر اسم جزئی کی طرف جو کہ اس کا رب ہے پھر کلی اسم کی طرف پھر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔ برخلاف دل کے کہ اس کا کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ عروج کرے بلکہ اس کا عروج ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہوتا ہے اور وہ ذات مجردہ کا دروازہ ہے لیکن اس تفصیل کے بغیر صرف دل کے طریق سے وصول بہت مشکل ہے بلکہ یہ وصول اس تفصیل کو پورا کرنے کے بعد میسر آتا ہے کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ جامعیت اور وسعت کی صفت دل میں متحقق نہیں ہوتی۔ مگر ان تمام مراتب تفصیلیہ کو طے کرنے کے بعد اور اس مقام میں دل سے مراد وہی دل ہے جو جامع اور بسیط اور ابسط ہے نہ کہ گوشت کا ٹکڑا۔

مکتوب نمبر ۴۶

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مد ظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(عروج و نزول کے بیان میں)

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اپنے سردار اور مولیٰ اور

اپنے گناہوں کے شفارش حضرت محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر درود بھیجتے ہیں۔

جان لو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس فقیر پر منکشف فرمایا ہے کہ کائنات میں ایک نقطہ ہے جو عالم ظلی کا مرکز ہے اور وہ نقطہ تمام عالم کا اجمال ہے اور تمام عالم اس اجمال کی تفصیل ہے اور وہ نقطہ اپنی چمک دمک میں سورج کی طرح ہے اور آفاق کی ہر چیز اسی نقطہ سے روشن ہوتی ہے پس جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی فیض پہنچتا ہے وہ اسی نقطہ کے وسیلہ سے پہنچتا ہے اور وہ نقطہ ذات مجرد کے نقطہ کے برابر اور محاذ میں واقع ہے۔ اور وہ نقطہ مرتبہ نزول میں موجود ہے۔ پس جب تک کہ اس مرتبہ ہبوط و اسفلیت میں نزول متحقق نہیں ہوتا اس مرتبہ تک عروج میسر نہیں آتا کہ جس کا نام غیب ہویت (ذات بحت) ہے اور یہ نزول دعوت و تکمیل کے لئے ہوتا ہے اور اس نزول سے متصف ہونے کے وقت جو کہ اس نقطہ کے مرتبہ میں واقع ہے ایسا خیال ہوتا ہے۔ کہ منہ عالم کی طرف ہے اور پشت خدا کی طرف۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عالم کی طرف توجہ اور خدا تعالیٰ سے انقطاع صرف موت کے وقت تک نہ ہے۔ جب موت آتی ہے تو وصال کے وقت حال منعکس (الٹا) ہو جاتا ہے۔ پس اس دنیا میں فراق و اشتیاق طرفین سے ثابت ہے اور ملاقات اس وقت پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ موت نہ آئے اور اس حدیث قدسی کا معنی معلوم ہوا کہ آگاہ رہو کہ نیک لوگوں کا میری ملاقات کا شوق بڑا لمبا ہو گیا۔ اور میں ان کی طرف ان سے زیادہ شوق رکھتا ہوں۔"

اور جان لو کہ اس مرتبہ میں نزول کے تحقق کے باوجود سالک اور خدا تعالیٰ کے درمیان کسی قسم کا کوئی پردہ متحقق نہیں ہے بلکہ تمام پردے مرتفع ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ مفقود ہے بلکہ اس جگہ پوری توجہ خلق کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ مقام مقام دعوت ہے۔

اور کبھی اس نقطہ سے جو کہ عالم ظلی کے دائرہ کا مرکز ہے۔ اس نقطہ کی طرف نزول واقع ہوتا ہے جو دائرہ عدم کا مرکز ہے۔ اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا مقام ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء صلی اللہ علیہم وبارک وسلم اور آیتوں سے انکار کا مقام ہے اور اس نقطہ (مرکز عالم ظلی) سے اس نقطہ کی طرف عروج واقع ہوتا ہے جو دائرہ اصل کا مرکز ہے جو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات وعلی آلہم واصحابہم اجمعین کے مقامات کا دائرہ ہے۔

اور یہ نقطہ (مرکز دائرہ عدم) جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ظلمانی ہے نہایت ہی تاریک پس اس مقام میں نزول اس عظیم الشان امر کے روشن اور منور کرنے کے لئے ہے اور اس نقطہ کے مقابل اسلام

کا نقطہ ہے اور یہ وہ نقطہ ہے کہ اس ظلمانی نزول کے بعد اس نقطہ پر عروج ہوتا ہے اور اس ظلمانی نقطہ کا چراغ کلمۂ توحید ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ والسلام مع الاکرام۔

مکتوب نمبر ۷

سلطان وقت مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(دعا کے اسرار اور علماء اور صلحا کی مدح کے بیان میں)

دعا کرنے والوں میں سے کمترین بندہ احمد خادمان والا بارگاہ اور درگاہ معلّٰی کے باریافتہ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہے اور نیازمندی اور شکستگی کا اظہار کرتا ہے اور اس امن و امان کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جو کہ دولت و اقبال بندگان عوام اور خواص کے شامل حال ہے بجالاتا ہے اور امید کے اوقات اور دعا کی قبولیت کے گمان اور اجتماع فقراء کے وقت لشکر ظفر قرین کی فتح و نصرت کے لئے دعا کرتا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند[ل]

کارخانہ خداوندی میں بے فائدہ (عبث) ممنوع ہے پس وہ کام جو مجاہدین کے لشکر اور جہاد سے وابستہ کیا ہے وہ پایۂ دولت قاہرہ سلطنت کی تائید ہے اور تقویت ہے کہ روشن شریعت کی ترویج اس کے ساتھ وابستہ ہے کہ کہا ہے۔

اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّیْفِ (شریعت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے)

اور یہی جلیل القدر کام دعا کے لشکر سے بھی وابستہ ہے جو کہ ارباب فقر اور اصحاب بلا ہیں۔ کیونکہ فتح و نصرت دو قسم ہے جو کہ ظاہری اسباب سے وابستہ ہے اور یہ فتح و نصرت کی ظاہری صورت ہے جو کہ مجاہدین کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم فتح و نصرت کی حقیقت ہے جو کہ مسبب الاسباب کی طرف سے ہے۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اور نہیں مدد مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

کا اشارہ اسی طرف ہے اور یہ دعا کے لشکر سے تعلق رکھتی ہے۔ اور بس۔ دعا کا لشکر اپنی

ل ہر ایک کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ذلت وانکساری کی وجہ سے جہاد کے لشکر سے سبقت لے جاتا ہے اور سبب سے مسبب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ع

ہمہ رفتند شکستگاں ازیں میدان گوئے۔[1]

اور یہ بھی ہے کہ دعا تقدیر کو روک دیتی ہے جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ۔

لَا یَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ (تقدیر کو دعا کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی)

اور تلوار اور جہاد یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تقدیر کو رد کر سکیں۔ بس دعا کا لشکر باوجود کمزوری اور شکستگی کے لشکر مجاہدین سے زیادہ طاقت والا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ مجاہدین کے لشکر کے لیے دعا کا لشکر روح کی طرح ہے اور مجاہدین کا لشکر جسم کی طرح ہے۔ پس مجاہدین کے لشکر کو دعا کے لشکر سے چارہ نہیں ہوتا۔ کہ جسم روح کے بغیر تائید اور نصرت کے قابل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ راویانِ حدیث نے کہا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] کَانَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ آپ فقیر مہاجرین کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فتح و نصرت کی طلب فقراء اور مہاجرین کے توسل سے فرماتے حالانکہ مجاہدین کا لشکر اور جنگ کرنے والوں کا غلبہ ہوتا پس فقرا کا لشکر جو کہ دعا کا لشکر ہیں اپنی خواری وزاری و بے اعتباری کے باوجود کہ

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ (فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی کا باعث ہے)

کہا ہے کسی نہ کسی وقت کام آتے رہتے ہیں اور اس بے اعتباری کے باوجود اعتبار پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں اور ہم کام لوگوں سے سبقت لے جاتے ہیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کل قیامت کے روز شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی سے وزن کرینگے

[1] اس میدان سے شکستہ لوگ گیند لے گئے۔

[2] ترمذی وابن ماجہ وغیرہ۔

[3] شرح السنۃ مشکوٰۃ ۱۲

اور اس سیاہی کا پلہ وزنی ہو جائے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ

یہ سیاہی اور یہ سیاہ روئی ان کی عزت اور سرخ روئی کا باعث ہو گئی اور ان کے مرتبہ کو پستی سے بلندی تک پہنچا دیا۔ ہاں ؎

بتاریکی دروں آب حیات است [1]

ایک شاعر کہتا ہے۔

غلام خویشتنم خواند لالہ رخسارے
سیاہ روئی من کرد عاقبت کارے [2]

اگرچہ یہ کمترین اس لائق نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دعا کے لشکر میں شمار کرے لیکن صرف اسم فقر اور قبولیت دعا کے احتمال کی وجہ سے اپنے آپ کو دولت قاہرہ کی دعا سے فارغ نہیں رکھتا۔ اور حال و قال کی زبان سے دعا اور فاتحہ سلامت میں رطب اللسان رہتا ہے۔ اے ہمارے رب ہم سے قبول کرلے یقیناً تو تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۴۶

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالیٰ کی اقربیت کے راز اور اس بات کے بیان میں کہ کنہ ذات کا انکشاف علم حضوری سے ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اللہ تعالیٰ کی اقربیت کا معاملہ علم حضوری سے وابستہ ہے جو کہ اصل معلوم سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ صُوَر میں سے کسی صورت اور معلوم کے ظلال میں سے کسی ظل سے کہ وہ علم حصولی کا حصہ ہے پس علم حصولی اصل میں نفس شے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس شے کی صورتیں سے کسی صورت کا علم ہوتا ہے۔ اور اس شے کے نفس کی نسبت سے جہل ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] کہ آب حیات تاریکی کے اندر ہے۔

[2] ایک لالہ رخسار نے مجھے اپنا غلام کہا، میری سیاہ روئی نے آخر کوئی کام کیا۔

سبحان اللہ! کسی شے سے جہالت کو علمِ شے سمجھ لیا جائے اور وہ ممنوع ہے اور عینیت کا دعویٰ نہیں سنا جا سکتا۔ کیونکہ شے اور صورتِ شے ایک دوسرے کے ساتھ دوئی کی نسبت رکھتے ہیں۔ اور جہاں دوئی کی نسبت ثابت ہے وہاں تغیر لازم ہے۔ "دو چیزیں آپس میں متغایر ہوتی ہیں" ارباب معقول کا مقررہ قضیہ ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی صورت کا علم کس طرح کسی شے کے اصلی علم کو مستلزم ہو سکتا ہے کہ شے کی صورت شے کا ظاہر وجود ہے۔ جس نے آئینے کے احکام کا لباس اوڑھ کر ظہور پیدا کیا ہے اور شے میں بہت سے اسرار و حقائق ہوتے ہیں جن کا صورت میں کوئی نام و نشاں نہیں ہوتا۔ ؎

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید[1]
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

کاش ظاہرِ شے پوری طرح صورت میں ظاہر ہوتا اور باطن موقوف رہتا۔ جب کہ ظاہرِ شے حکم محل اور آئینہ کی مشابہت اختیار کر کے صورتِ شے کو ظاہر کرتی ہے۔ تو یقین ہے کہ ظاہر بھی خالص کر کے نہیں دکھاتی۔ بلکہ ایک دوسری ہیئت پیدا کرتی ہے۔ پس جس طرح صورت باطن شے سے محروم ہے ظاہر شے سے بھی محروم ہے تو لازماً اس صورت کا علم اس شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہیں ہوگا۔

مختصر یہ کہ معلوم اصل میں وہ ہے جو کہ کائن کے ذہن میں ہے اور ذہن میں چونکہ کائن کی صورت ہے تو معلوم بھی وہی صورت ہوگی اور صورت کو جب کہ کسی شے کے ساتھ نسبت تغایر پیدا ہوئی۔ تو صورت کا علم کسی شے کے حقیقی علم کو مستلزم نہ ہوا۔

علمِ حضوری وہ ہے کہ قوتِ مدرکہ نزدیک اس جگہ نفس شے ہے اور ظل اور صورت درمیان میں حائل نہیں ہے۔ پس اس علم میں معلوم نفس شے ہوتی ہے نہ کہ اس شے کی صورتوں سے کوئی صورت پس علمِ حضوری اشرف ہوتا ہے بلکہ وہی علم ہوتا ہے اور بس اور اس علم کے ماسوا جو کہ علم حصولی ہے جہل ہے۔ جو کہ علم کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے وہ جہل مرکب ہے کہ اپنے جہل کو علم سمجھتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا۔ پس علم حصولی کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں راہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اس علم سے معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ یہ علم اصل میں معلوم کی صورت کا علم ہے نہ کہ نفس معلوم کا علم جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور صورت کو اللہ تعالیٰ کی

[1] اگر کوئی مصور اس محبوب کی تصویر کھینچنا چاہے تو میں حیران ہوں کہ اس کے ناز و ادا کو کیسے ظاہر کرے گا۔ ۱۲

بارگاہ میں کوئی راہ نہیں ہے تاکہ صورت کے علم کو اصل صورت کا علم کہا جائے۔

اگرچہ بعض صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل نہیں ہے لیکن مثال ہے۔ لیکن یہ صورت مثالی اگر ثابت ہو جائے تو ذہنی صورت کے علاوہ ہے کہ جو علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عالمِ مثال میں جو کہ فراخ ترین مخلوقات ہے کا اُن کی صورت ہو اور ذہن میں ثابت نہ ہو۔

حدیث قدسی

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ (میرے آسمانوں اور میری زمینوں میں میری گنجائش نہیں ہے لیکن میری گنجائش میرے مومن بندے کے دل میں ہے)

بندۂ مومن کے دل سے مخصوص ہے کہ اس کا معاملہ تمام لوگوں سے علیحدہ ہے کہ وہ فنا اور بقا سے مشرف ہوا ہے اور حصول سے آزاد ہو کر حضور سے مل چکا ہے۔ اس جگہ اگر کوئی گنجائش ہے تو باعتبارِ حضور ہے نہ باعتبارِ حصول سے

در کدام آئینہ در آید او[1]

جاننا چاہیئے کہ علمِ حضوری میں عالم اور معلوم کا اتحاد ہے پس اس علم کا زوال اس عالم سے جائز نہیں ہے کہ معلوم اس کا نفس ہے جو کہ اس سے جدا نہیں ہے بلکہ علم بھی اس جگہ عین عالم ہے۔ اور وہ عین معلوم ہے پس اس جگہ علیحدگی کی گنجائش کیا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ علمِ حضوری میں چونکہ معلوم نفس شے ہے نہ کہ اس کی صورت تو لازماً اس جگہ معلوم جس طرح ہے اسی طرح منکشف ہوتا ہے اور اسی طرح علم میں آتا ہے اور اپنی کنہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی کنہ اس کے نفس سے عبارت ہے اور جب تمام وجوہ و اعتبارات ساقط ہو گئے اور نفس ذات رہ گئی جو کہ مدرکہ میں حاضر ہے۔ تو اس کی کنہ معلوم ہو گئی۔ برخلاف علم حصولی کے کہ اس جگہ معلوم کسی شے کے وجوہ و اعتبارات ہیں جو کہ شے کی صُوَر اور مثال ہیں نہ کہ نفس شے جیسا کہ گزرا پس اس جگہ معلوم ذات شے نہیں ہوتی اور شے کنہ سے معلوم نہیں ہوتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم حصولی میں شے کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور شے کا ادراک بھی اور علمِ حضوری میں شے کا انکشاف تو ہے لیکن شے کا ادراک نہیں ہے۔ پس معلوم کی کنہ تو منکشف ہو گی لیکن مدرک نہ ہو گی۔

---

[1] وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے ۱۲

پوشیدہ نہ رہے کہ جب علم حضوری خداوند تعالیٰ کی ذات کی نسبت ثابت ہوا جیسا کہ پہلے گذرا۔ تو لازم آیا کہ خداوند تعالیٰ کی ذات کی کُنہ منکشف ہو اور ذاتِ خداوندی جیسی کہ ہے معلوم ہو جائے۔ اور یہ علماء کے مقررہ اصول کے خلاف ہے تو میں کہوں گا کہ یہ علم حضوری جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق پیدا کیا ہے۔ رویت کی طرح ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت ثابت کرتے ہیں کہ اس جگہ انکشاف تو ہے لیکن درک مفقود ہے۔ اس علم میں بھی انکشاف ہوتا ہے۔ اور درک مفقود ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ رویت کا تعلق ہو سکتا ہے تو علم کا تعلق کیوں نہیں ہو سکتا جو کہ رویت سے زیادہ لطیف ہے۔ استحالہ ادراک میں ہے جو کہ احاطہ کو مستلزم ہے۔ درکہ انکشاف میں اللہ تعالیٰ نے

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)

فرمایا ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔

لَا تَرَاهُ الْاَبْصَارُ (آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں)

سوال:۔

اگر درک حاصل نہ ہوگا تو انکشاف کس کام آئے گا۔؟

جواب:۔

میں کہتا ہوں کہ انکشاف سے مقصود دیکھنے والے کا لذت حاصل کرنا ہے جو کہ حاصل ہے درک ہو یا نہ ہو۔

سوال:۔

بغیر ادراک کے انکشاف کس طرح لذت حاصل کرنے کو مستلزم ہوگا۔؟

جواب:۔

لذت حاصل کرنے میں انکشاف کا علم کافی ہے ادراک ہو یا نہ ہو۔ یا میں یہ کہوں گا کہ اس مقام میں درک بھی حاصل ہے لیکن مجہول الکیفیت ہے وہ درک جس کی نفی ہے (اور اللہ ہی بہتر جانے) وہ درک ہے جس کی کیفیت علم میں آسکے اور احاطہ معلوم کرائے

لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ (وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے)

کیونکہ وہ علم حصولی کے مناسب ہے۔ اگر درک علم حضوری میں نہ ہوگا تو علم حصولی میں کہاں سے آجائے گا۔ کیونکہ جو کچھ ظل میں ہے وہ اصل کے مرتبہ سے مستفاد ہے لیکن درک اصل میں

تو مجہول الکیفیت ہے اور ظل میں وہ معلوم الکیفیت ہے۔

مکتوب نمبر ۹۴

جناب میر محمد نعمان کی خدمت میں ارسال فرمایا

(اس بیان میں کہ عارف کو جو علم حضوری اپنے متعلق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

جاننا چاہیئے کہ علم حصولی آفاق کے متعلق ہے اور علم حضوری انفس کے متعلق اور پوری معرفت والے عارف کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ کی اقربیّت کا معاملہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس بلند مقام سے آراستہ ہوتا ہے تو یہ انفس اس کے حق میں آفاق کا حکم پیدا کرتا ہے اور اس کا علم حضوری علم حصولی سے بدل جاتا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی اقربیت انفس کا حکم پیدا کرتی ہے اور علم حضوری جو پہلے انفس سے تعلق رکھتا تھا اس اقربیّت سے تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ اس صورت میں نہیں کہ اپنے آپ کو عین خدا تعالیٰ سمجھے اور وہ علم جو اس کے نفس کے متعلق ہے اس کو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے متعلق سمجھے یہ خود توحید کا معاملہ ہے اور مقامات قرب سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ قرب کی انتہا اتحاد ہے۔ اقربیّت اور چیز ہے اور اس کا معاملہ اور چیز ہے۔ اتحاد سے گزرنا چاہیئے اور دوئی میں آنا چاہیئے تاکہ اقربیّت متصوّر ہو سکے۔

کوئی کوتاہ فہم دوئی کے لفظ سے وہم میں نہ پڑے اور اتحاد کو اس سے زیادہ نہ سمجھے۔ وہ دوئی جو اتحاد سے نیچے ہے۔ وہ عوام کالانعام کا مقام ہے اور یہ دوئی جو اتحاد پر ہزاروں فضیلتیں رکھتی ہے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا مقام ہے جیسا کہ ہوش (صحو) جو مستی سے پہلے ہے وہ عوام کا حال ہے اور وہ صحو (ہوش) جو سکر (مستی) کے بعد ہے خواص بلکہ اخص الخواص کا مقام ہے اور جیسا کہ اسلام جو کفر طریقت سے پہلے ہے عوام مسلمانوں کا اسلام ہے اور وہ اسلام جو کفر طریقت کے بعد ہے اخص الخواص کا اسلام ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ جتنا بھی عارف اپنے آپ کو خدا تعالیٰ نہیں سمجھتا اتنا ہی اس کا علم حضوری جو نفس عارف سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور اس کا اپنے متعلق علم جو کہ حضوری ہوتا ہے علم حصولی ہو جاتا ہے۔

ع در عشق[1] چنیں بو العجبیہا باشد

عقلمند آدمی کی عقل ان باریکیوں کے پیچھے نہیں پڑتی بلکہ اس کو جمع ضدّین کی طرف راجع کرتی ہے۔ ایک عارف کہتا ہے۔

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِجَمْعِ الْاَضْدَادِ میں نے اپنے رب کو اضداد کو جمع کرنے سے پہچانا۔

اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الهدیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۰

قاضی نصر اللہ کی طرف صادر فرمایا

(علماء راسخین کے استدلال اور ارباب ظاہر کے استدلال اثر سے موثر تک کے فرق کے بیان میں)

اثر سے موثر پر اور مخلوق سے خالق پر استدلال کرنا علماء ظواہر کا کام بھی ہے۔ اور علماء راسخین کا کام بھی جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں۔ علماء ظواہر مخلوق کے وجود کے علم سے خالق کے وجود کا علم پیدا کرتے ہیں۔ اور اثر کے وجود کو موثر کے وجود پر دلیل بنا کر موثر کے وجود پر ایمان اور یقین پیدا کرتے ہیں۔ اور علمائے راسخین جو کہ ولایت کے کمالات کے درجات کو قطع کر کے مقام دعوت پر پہنچ چکے ہیں جو کہ اصل میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ بھی تجلیات و مشاہدات کے حصول کے بعد اثر سے موثر پر استدلال کرتے ہیں۔ اور اس راہ سے بھی موثر حقیقی پر ایمان پیدا کرتے ہیں۔ کیونکہ آخر کار انہوں نے جان لیا ہے کہ جو کچھ بھی مشہود و متجلّی تھا وہ مطلوب کے ظلال میں سے ایک ظلّ تھا جو کہ نفی کے لائق اور عدم ایمان کا مستحق ہے۔

اور انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ بیچوں کے ساتھ بغیر استدلال کے ایمان لانا اس دنیا میں میسر نہیں ہے تو وہ مجبور ہو کر استدلال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مطلوب کے ظلال کے حائل ہونیکے بغیر طلب کرتے ہیں۔

اور چونکہ یہ بزرگوار خداوند تعالیٰ سے محبت کا رشتہ قوی رکھتے ہیں اور ماسوا کو محبوب حقیقی کی محبت

[1] عشق میں ایسی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

پر قربان کر چکے ہیں تو الاَنا
اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس کی محبت ہو)
استدلال کی راہ سے مطلوب حقیقی تک پہنچتے ہیں اور تجلیات وظہورات کے تنگ کوچہ سے جو کہ ظلال سے مخلوط ہے خلاصی حاصل کر کے اصل الاصل سے مل جاتے ہیں۔

وہ مقام جہاں تک علماء ظواہر کا علم پہنچتا ہے۔ یہ بزرگوار محبت کے کنڈے سے کھینچ کر بذاتِ خود وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور بے کیف اتصال پیدا کر لیتے ہیں۔ اور یہ فرق محبت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جو محب ہے اور محبوب کے علاوہ دوسروں سے الگ ہو چکا ہے وہ محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور جس میں یہ محبت نہیں ہے وہ علم پر کفایت کرتا ہے اور اسی کو غنیمت جانتا ہے۔ بلکہ جس جگہ وہ بزرگوار خود پہنچ جاتے ہیں ان کا علم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

علم کی انتہا بشرطیکہ وہ صحیح علم ہو مطلوب کی دہلیز تک ہے اور وہ جو مطلوب سے واصل ہے وہ مطلوب کے ساتھ ہے۔ معیت کوئی ایسا دقیقہ نہیں چھوڑتی جو واصل کے نصیب میں نہ ہو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

بندہ با حق ہمچو شیر و شکر است[1]

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند مثل ہے)

بندہ بننا چاہیئے اور ماسوا کی غلامی سے آزاد ہونا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۱۵

ملا شیر محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ دل کی تصدیق اور دل کے یقین میں کیا فرق ہے)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

سوال:-

بعض محقق متکلمین نے جو ایمان کی حقیقت دل کا

---

[1] بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مل جاتا ہے جیسے دودھ اور شکر۔ ۲

مُؤمِنُ بِہٖ (جس پر ایمان لایا جائے۔)
کے ساتھ گرویدہ ہونا کہا ہے۔ اس کا کیا معنی ہے اور گرویدہ ہونا
مُؤمِنُ بِہٖ
کی تصدیق اور یقین قلب سے عبارت ہے یا یہ نفس تصدیق
مُصَدَّقُ بِہٖ (جس کی تصدیق کی جائے)
پر دل کے یقین کے علاوہ کوئی اور امر زائد ہے ؟

جواب:

دل کا گرویدہ ہونا یقین دل کے علاوہ ہے اگرچہ یہ تصدیق سے الگ نہیں ہے لیکن اس یقین پر متفرع ہے۔ یقین کے حاصل ہونے کے بعد دل دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو جس پر ایمان لایا ہے اس کی فرمانبرداری اور پیروی کرے گا۔ یا جس پر ایمان لایا ہے اس کا انکار اور نافرمانی کرے گا۔

اور تسلیم وانقیاد کی علامت مومن بہ پر دل کی رضامندی اور انشراح صدر ہے اور انکار وجحود کی علامت مصدق بہ
مُصَدَّقُ بِہٖ
سے دل کی کراہت اور سینہ کی تنگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

سو جس آدمی کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑنا چاہے اس کے سینہ کو نہایت تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

اور دل کو مومن بہ کی تصدیق ویقین کے بعد تسلیم وانقیاد کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور اس کا خالص ناقتناہی کرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کو خدا تعالیٰ کی عنایت کہتے ہیں۔ اور

مُصَدِّقٌ بِہٖ
پر یقین اور تصدیق حاصل ہونے کے بعد انکار و جحود کا منشا نفس امارہ کی ردی صفات کا پختہ ہونا اور عادت بن جانا ہے کیونکہ وہ اپنی سرداری اور جاہ و مرتبہ کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور دوسرے کے تابع ہونے اور تقلید کرنے کو قبول نہ کرنے پر بنایا گیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب اس کی تصدیق کریں اور گرویدہ ہوں۔ اور وہ کسی دوسرے کی تقلید و پیروی نہ کرے اور کسی کا فرمانبردار اور متبع نہ ہو۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ — اور ان پر اللہ نے ظلم نہ کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت کو محض اپنے فضل و کرم سے اس پیدائشی مرض سے نکالا ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو کہ صراطِ مستقیم کی راہنمائی کرنے والے ہیں کی تقلید اور فرمانبرداری اور تسلیم سے مشرف کیا اور نعمتوں والی جنت کا ان کو وعدہ دیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے۔ اور ایک گروہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور جبر و قہر سے اس کو طبعی رذائل سے نہ نکالا اور اس دولت تک نہ کھینچا لیکن کتابیں نازل کر کے اور رسول بھیج کر صراطِ مستقیم کو بیان فرمایا اور مصدق اور مطیع کو بشارت دی اور مکذب و عاصی کو ڈرایا۔ اپنا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اور دونوں فریق پر حجت پوری کر دی۔

مکتوب نمبر ۵۲

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(قلب اور نفس کی فنا اور علم حصولی اور حضوری کے زوال کے بیان میں)

فنا اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جانے کا نام ہے اور ماسویٰ دو قسم ہے آفاق اور انفس نسیانِ آفاق۔ آفاق کے علم حصولی کے زوال کا نام ہے اور نسیان اَنفس۔ انفس کے متعلق علمِ حضوری کے نسیان کا نام ہے۔ کیونکہ علم حصولی آفاق سے تعلق رکھتا ہے اور علم حضوری انفس سے۔ اشیاء کے علم حصولی کا مطلق طور پر زوال بھی اگرچہ مشکل ہے کہ وہ اولیاء کا حصہ ہے۔ لیکن علم حضوری کا مطلق طور پر زوال بہت ہی مشکل ہے اور یہ بہت ہی کامل تر اولیاء کا حصہ ہے

قریب ہے کہ اس کا جائز ہونا بلکہ اس کا تصور بھی عقلاء کے لئے محال ہو اور معلوم کا جاننے والے کے لئے عدم حضور باطل سمجھیں کیونکہ حضور شے نفس شے کے لئے ان کے نزدیک ضروری ہے۔ پس علم حضوری کا زوال ان کے نزدیک اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہی ہو جائز نہیں ہے پھر اس کا اس طرح پر مطلقاً زوال جو کبھی واپس نہ آسکے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔

پہلے کا نسیان جو کہ علم حصولی کی نسبت ہے۔ فنائے قلب سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے کا نسیان جو علم حضوری کی نسبت ہے فنائے نفس کو مستلزم ہے جو کہ اتم و اکمل ہے اور فنا کی حقیقت اسی مقام میں ہے۔ اور پہلی فنا اس فنا کے لئے صورت اور سایہ کی طرح ہے۔ کیونکہ علم حصولی اصل میں علم حضوری کا ظل ہے۔ تو لازماً اس کا فنا ہونا ظل کا فنا ہونا ہے۔ اور اس فنا کے حاصل ہونے میں نفس اطمینان میں آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی و مرضی ہو جاتا ہے اور بقا اور رجوع کے بعد تکمیل و ارشاد کا معاملہ اس سے تعلق رکھتا ہے اور اس کو عناصر اربعہ کی مختلف طبیعتوں کے ساتھ جہاد میسر ہو جاتا ہے جو کہ بدن کے ارکان ہیں اور ان میں سے ہر ایک کچھ امور میں سے کسی امر کا مطالبہ کرتا ہے اور اشیاء میں سے کسی شے کی خواہش کرتا ہے۔

اور لطائف بدن میں سے کسی کو بھی یہ دولت میسر نہیں ہے۔ یہ نفس ہی ہے جو شیطانی انانیت کو جو کہ ناری عنصر سے پیدا ہوا ہے اپنی حکومت سے اصلاح میں لاتا ہے۔ اور قوتِ شہویہ اور غضبیہ اور باقی تمام برے اوصاف کو کہ چوپائے اور دوسرے جانور بھی ان میں شریک ہیں۔ اپنی اچھی تربیت سے اعتدال پر لے آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ لطیفہ جو بدترین لطیفہ تھا ان میں سے بہترین ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا — جو تم میں سے جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جب کہ وہ دین کو سمجھ جائیں۔

تنبیہ

دل سے ماسوا کے نسیان کی علامت دل میں ماسوا کا خیال نہ آنا ہے اس طرح کہ اگر اس کو تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرائیں تو اسے یاد نہ آئے بلکہ دل اس کو قبول نہ کرے اور نفس عالم کے متعلق علم حضوری کے زوال کی علامت یہ ہے کہ عالم اپنی ذات اور صفت کے لحاظ سے نیست و نابود ہو جائے تاکہ علم اور معلوم کا زوال اس سے متصور ہو کیونکہ علم اور معلوم اس مقام

میں نفس عالم ہے اور جب تک نفس عالم زوال پذیر نہ ہو علم اور معلوم منتفی نہیں ہوتے۔ اور پہلے کی فنا فنائے آفاق ہے اور دوسرے کی فنا فنائے انفس ہے۔ جو کہ فانی کی حقیقت ہے۔

مکتوب نمبر ۵۲

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ کی طرف صادر ہوا

(ذات اور صفات کے وجودی اور شہودی طور پر زوال کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ؎ بیشک انسان پر ایسا بھی زمانہ آیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز ذکر کے قابل نہ تھا۔

ہاں میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب کہ وہ کوئی چیز ذکر کے قابل بھی نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی اور نہ صفت اور نہ شہود تھا اور نہ وجود۔ پھر اس کے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے زندہ اور تیری بقا سے باقی اور تیرے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔ بلکہ تیرے فضل سے عین فنا میں بھی باقی ہو گیا اور عین بقا میں بھی تجھ میں فانی ہوا کیونکہ ان دونوں میں تلازم ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حصول دوسرے کے وجود سے ہے۔

اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جو نمک کی کان میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ وہ آہستہ آہستہ ایسی چیز بن جائے جو نمک کے احکام سے رنگی جائے۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح نمک ہو جائے۔ اس میں کوئی چیز اپنی نہ رہے نہ ذات نہ صفت تو لازماً اس کا قتل کرنا بھی جائز ہو گا اور کاٹنا بھی اور اس کا کھانا بھی جائز ہو گا۔ اور اس کی خرید و فروخت بھی اور اگر اس کی کوئی ذات یا صفت باقی ہوتی تو یہ چیزیں جائز نہ ہوتیں اور فارسی شعر میں کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ ؎

لہ سگے کاندر نمک زار او فتد گم گرد و اندر وے
من ایں دریائے پر شور از نمک کمتر نے دانم

لہ کتا جو نمک کی کان میں گر پڑے وہ اس میں گم ہو جاتا ہے میں اس دریائے پر شور کو نمک سے کمتر نہیں سمجھتا۔

اگر تم پوچھو کہ تم نے تو اپنے مکاتیب اور رسائل میں لکھا ہے کہ ذات اور صفت کا زوال شہودی طور پر ہوتا ہے وجودی طور پر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے الحاد اور زندقہ پیدا ہوتا ہے اور دوئی جو عبودیت اور ربوبیت کے درمیان ثابت ہے وہ اُٹھ جاتی ہے تو اب ذات اور صفت کے وجود میں بھی زائل ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔؟

تو میں کہتا ہوں کہ کسی چیز کا دوسری چیز میں اس طرح رنگ جانا کہ ان میں سے ایک اپنے احکام سے الگ ہو جائے اور دوسری کے احکام میں رنگ جائے تو اس میں دونوں سے دوئی نہیں اُٹھ جاتی کہ وہ الحاد اور زندقہ بن جائے پس یقیناً وہ انسان جو نمک کی کان میں پھینک دیا گیا ہو وہ نمک سے متحد نہیں ہو جاتا اور نہ اس کی دوئی زائل ہو جاتی ہے بلکہ اس کو اپنی ذات اور اپنی صفات سے نمک کی ہمسائیگی اور اس کے غلبہ سے فنا حاصل ہوئی اور دوئی کی بقا کے باوجود اسے نمک اور اس کے احکام سے بقا ملی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ دوئی اصل کے ساتھ سائے کی دوئی کی طرح ہے جس میں اپنا استقلال نہیں ہے اور اس زائل ہونے والی دوئی کو عوام کی نظر میں ایک طرح سے استقلال حاصل ہے پس دوئی تو اس کے بعد بھی باقی ہے پھر الحاد اور زندقہ کہاں رہا۔؟

اور وہ جو میں نے اپنے مکاتیب اور رسائل میں زوال وجود کے منع کے متعلق کہا ہے۔ تو وہ عوام کے فہم کے قصور پر محمول ہے کہ وہ اس سے دوئی کا ختم ہو جانا سمجھتے ہیں اور الحاد اور زندقہ میں جا پڑتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی باتوں سے بہت بلند ہیں"

باقی رہی وہ صورت جو حکمی طور پر اس انسان کے نمک بن جانے کے بعد باقی رہی ہے تو وہ حقیقت میں نمک کی صورت ہے کہ جس کے رنگ سے انسان رنگین ہوا ہے نہ کہ انسان کی صورت مگر یہ کہ اس حکمی نمک کو اس انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے اور اس کو اس کی صورت دی گئی ہے نہ یہ کہ انسان کی صورت باقی رہی ہے کہ کوئی اس کا اثر باقی رہ جائے۔

تنبیہ :-

اس نمک میں جسے انسان کی صورت پر قیاس کیا گیا ہے صورت کا زوال ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور جو بحث ہم کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں ہے۔

فَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (سو اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

پس اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ہوتی ہے اور نہ وہ اشیاء سے متصل ہے اور نہ اشیاء سے منفصل ہے اور اشیاء بھی اس سے متصل نہیں ہیں اور نہ اس سے منفصل ہیں۔ تو ذات پاک ہے۔ وہ اللہ جو اکوان کے حدوث سے نہ اپنی ذات سے متغیر ہوتا ہے اور نہ صفات سے اور نہ اسماء سے۔ تو اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے خالص تنزیہ اور تقدیس پر تھا۔ تو اللہ تعالیٰ عالم سے قریب ہے اور عالم کے ساتھ ہے لیکن یہ قرب و معیت وہ ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ یہ اس طرح کا قرب نہیں جو جسم کو جسم سے ہوتا ہے اور نہ وہ قرب جو جسم کو عرض سے ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ امکان کی صفات اور حدوث کے نشان سب کے سب خدا تعالیٰ کی ذات سے مسلوب ہیں۔ اولیاء کا عروج اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف قرب میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اور اصفیاء کے وصول سے ان کا اللہ تعالیٰ سے اتصال حاصل نہیں ہوتا اور فنا اور بقاء عرفاء کے احوال ہیں لیکن وہ نہیں جو عقلاً سمجھتے ہیں۔ اور ذات اور صفت کے زوال کا ایک معنی ہے جسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب کرے جیسا کہ اس کی تحقیق آئے گی۔ سو تو اس جماعت کے کلام کو حسن ظن اور قبول سے سن اور اس سے اس کا ظاہری مدلول اور مطابقی معنی نہ سمجھ کیونکہ اس طرح تو بسا اوقات بڑی فحش غلطی کرے گا سو تو خود بھی گمراہ ہوگا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی کا الہام کرنے والا اور توفیق دینے والا ہے۔

اگر تو کہے کہ تم نے انسان کی ذات اور صفت کے زائل ہو جانے کو جائز رکھا ہے۔ تو اس کے متعلق کیا کہتے ہو جو قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق آیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ۔ — آپ کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور جو حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ۔ — میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہوں مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسا دوسرے لوگوں کو آتا ہے۔

اور یہ بات انسانیت کے اثر کے باقی رہنے ہی کی وجہ سے ہے۔

تو میں کہوں گا اسطرح نہیں ہے اور نہ اس کی اثر کے بقا پر دلالت ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے

کہ جب انسان کامل کو فنا اور بقا کے بعد عالم اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کیلئے واپس کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ بشری صفات اور انسانی خصوصیات کو مرکب کر دیا جاتا ہے۔ جو کہ ان صفات کی تیزی کو توڑنے کے بعد اس سے زائل ہوئی تھیں۔ تاکہ اس کے اور عالم کے درمیان مناسبت زائل ہونے کے بعد از سر نو مناسبت پیدا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت سے اس کے اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دے۔

اور ان بشری صفات کو زوال کے بعد پھر واپس کرنے اور اس سے ملحق کرنے میں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ ہے مکلفین کا امتحان اور دعوت دیئے گئے لوگوں کی آزمائش تاکہ ناپاک سے پاک الگ ہو جائے اور جھٹلانے والا تصدیق کرنے والے سے جدا ہو جائے اور ان صفات کے رجوع سے معاملہ ملتبس ہونے اور حال کے ملتبس ہونے کے بعد ایمان بالغیب حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ۔ اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور جس شبہے میں وہ اب پڑے ہیں پھر بھی اسی شبہے میں پڑے رہتے۔

اگر کوئی کہے کہ انسان کامل سے ذات اور صفات کے زوال کا کیا مطلب ہے حالانکہ اس کا ظاہر ہمیشہ صفات بشری پر دائم ہے۔ وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے اور سوتا ہے اور آرام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھائیں۔

تو میں کہوں گا فنا اور بقا باطن کی صفات سے ہیں ان کا اصل میں ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس ظاہر ہمیشہ اپنے مقام پر ہے اور باطن کبھی علیحدہ ہوتا ہے اور کبھی صفات سے موصوف ہوتا ہے۔

پھر اگر کہا جائے کہ باطن کے لطائف کئی ایک ہیں کیا یہ سارے فنا اور بقا سے متحقق ہیں۔ یا ان میں سے بعض اور پھر وہ بعض کون سے ہیں؟

تو میں کہوں گا کہ ان دونوں سے جو متحقق ہے وہ لطیفۂ نفس ہے جو کہ اصل میں انسان کی حقیقت ہے جس کی طرف "وہ میں" کے قول سے اشارہ کرتا ہے۔ پس یہی ابتدا میں برائی کا حکم دینے والا ہے اور آخر میں نفس مطمئنہ ہے اور ابتدا میں وہ خداوند تعالیٰ کی عداوت پر ہے۔ ہے۔ اور آخر میں اس سے راضی اور مرضی ہے۔ یہ سب بُروں میں سے بُرا ہے اور بھلوں میں سے بھلا ہے۔ اس کی بُرائی ابلیس کی بُرائی سے بڑھ کر ہے اور اس کی بھلائی تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی بھلائی سے زیادہ ہے۔

تنبیہ :-

فنا اور زوال وجودی اور بقا باللہ کا یہ معنی نہیں ہے کہ ممکن سے پورے طور پر امکان زائل ہو جائے اور پھر اسے وجوب حاصل ہو جائے کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس طرح کہنا کفر ہے۔ بلکہ وہ امکانیت کے بقا کے ساتھ الگ ہونا اور موصوف ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح کی علیحدگی اور پوشیدگی جسے ارباب معقول نے عناصر میں بطریق کون و فساد ثابت کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے بطریق مادے کو دونوں حالتوں میں صورت نوعیہ کی تبدیلی کے باوجود ثابت رکھا ہے اور ہم مادے اور اس کے ثبوت کے متعلق نہیں کہتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فنا و بقا قادر مختار جل شانہٗ کی طرف سے ایجاد اور اعدام ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "وہ آدمی ہرگز آسمانوں کے ملکوت میں داخل نہ ہوگا جو دو دفعہ نہیں جنا گیا"

گویا کہ ولادت ثانیہ سے ایجاد ثانی کی طرف اشارہ ہے۔

اور وہ جو بقا باللہ کہتے ہیں تو یہ رذیل صفات کے زوال اور اخلاق حمیدہ کے حصول کی وجہ سے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی شبیہ ہیں مجاز اور تشبیہ کے طور پر کہتے ہیں اور میں نے کئی ایک مقامات پر تحقیق کی ہے کہ یقیناً ممکن کی ذات یہی عدم ہے اور بس۔ پس اس کا زوال کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ممکن اپنے تمام احوال میں ممکن ہے خواہ وہ حال فنا ہو یا حال بقا جیسا کہ یہ دونوں اپنے عدم کے حال میں تھے۔ اور واجب تعالیٰ (خدا تعالیٰ) ہمیشہ اور دائمی طور پر واجب ہے کوئی چیز اس کی ذات پاک سے ملحق نہیں ہو سکتی اور نہ اس سے کوئی امر منفصل ہو سکتا ہے۔ اور شعر فارسی میں کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

سیاہ روئی ز ممکن در دو عالم
جدا ہرگز نہ شد واللہ اعلم

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور تجھ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ ممکن میں امکان کا بقا ممکن میں بقاء اثر اور ثبوت کے مراتب میں سے کسی مرتبہ میں اس کے ثبوت کے بقا سے عبارت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پوری فنا کے منافی ہے اور اس فنا کے ساتھ فنا ہونے والا امانتوں کو اس کے اہل کے پاس واپس کرنے کے بعد اور اس میں منعکس ہونے والے ظلال۔ کو ان کے اصل وجود اور اس کے سارے توابع صفات کاملہ اور نعوت فاضلہ کی طرف رد کرنے کے بعد عدم محض سے جو کامل ہے ملحق ہو گیا ہے۔ اس طرح پر کہ اس میں کسی چیز کی طرف اضافت اور نسبت نہیں پائی جاتی اور نہ کوئی اسم اور نہ کوئی نشان باقی رہتا ہے۔ کیونکہ عدم میں اضافت کا وجود اس کے ثبوت سے خبر دیتا ہے ولو فی الجملة فافہم۔

مکتوب نمبر ۵

خانجہاں کی طرف صادر فرمایا

(شریعت متین کی اتباع اور دشمنان دین سے جنگ کرنے کے بیان میں)

حق سبحانہٗ و تعالیٰ بطفیل نبی اور ان کی بزرگ آل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اپنی پسندیدہ چیزوں کی توفیق عنایت فرمائیں اور سلامت و معزز و محترم رکھیں۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند ؎[۱]
کس بمیداں در نمے آید سواراں راچہ شد

دنیا کی فانی نعمتیں اور لذتیں اس وقت گوارا اور حلال ہوتی ہیں کہ ان کے ضمن میں شریعت غراء کے مطابق عمل کیا جائے اور آخرت کے ساتھ جمع ہو جائے۔ ورنہ زہر قاتل کا حکم رکھتی ہیں کہ جس کو شکر میں لپیٹ دیا گیا ہو اور اس سے بیوقوفوں کو فریب دیا جائے۔ افسوس ہے اگر اس زہر کا علاج حکیم مطلق جل شانہٗ کے تریاق سے نہ کیا جائے اور اس شیرینی کی تلافی شریعت کے اوامر اور نواہی کی تلخی سے نہ کی جائے۔

مختصر یہ کہ تھوڑی سی کوشش اور تردد سے شریعت کے مطابق کہ جس کی بنا سہولت پر

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ممکن ہے اس کی سیاہ روئی دونوں جہانوں میں زائل نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] توفیق اور سعادت کا گیند درمیان میں پڑا ہے کوئی بھی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہوا۔

ہے۔ ابدی ملک ہاتھ آتا ہے اور تھوڑی سی غفلت اور فراغت سے وہ ہمیشہ کی دولت ہاتھ سے جاتی ہے۔ دور اندیش عقل کو کام میں لانا چاہیئے اور بچوں کی طرح اس کو اخروٹ اور منقہ سے نہ بیچنا چاہیئے۔

یہی ملازمت جو آپ رکھتے ہیں اگر اس کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تعمیل کے ساتھ جمع کر دیں تو آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین متین کو منور کریں گے ہم فقیر لوگ اگر کئی سال تک بھی اس عمل میں اپنی جان لڑائیں تو آپ جیسے شاہبازوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے ہے۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

اے اللہ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جنہیں تو پسند کرتا ہے۔ باقی مقصد یہ ہے کہ دعائیہ رقعہ لے جانے والے فضائل مآب خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد اشرف اپنے مخصوص دوستوں سے ہیں جس قدر بھی آپ اُن کے احوال کی رعایت کریں گے فقیروں پر احسان کا باعث ہو گا۔ آپ کا معاملہ بہت بلند ہے اور آپ کی شان بہت رفیع ہے۔

مکتوب نمبر ۵۵

مریز خاں کی طرف صادر فرمایا

(فقر سے غنا کی طرف واپس چلے جانے کی برائی کے بیان میں)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

میرے بھائی میاں مریز خاں نے فقر کی تنگیوں سے بھاگ کر اغنیاء سے التجا کی ہے۔ اور دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں مشغول ہو گئے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے اچھا نہیں سوچا۔ اگر دنیا میں اغنیاء کی صحبت میں رہ کر بہت ترقی بھی کر لیں تو ایک ہزاری منصب پر چلے جائیں گے۔ اور مان سنگھ پنج ہزاری یا سات ہزاری تھا آپ اس سے تو

لے توفیق اور سعادت کا گیند میدان میں پڑا ہے اور کوئی بھی میدان میں نہیں آتا سواروں کو کیا ہوا۔!

نہ پڑھ سکیں گے۔ اور اگر بالفرض مان سنگھ کے منصب پر بھی پہنچ جائیں تو سوچو کہ کیا چیز کر لو گے اور کونسی بزرگی حاصل کر لو گے۔ کیا فقر میں روٹی نہ ملتی تھی۔ اب مرغن روٹیاں کھاتے ہو اس سے بھی گذر رہی ہے۔ اور اس سے بھی گذر جائے گی

لیکن سوچو کہ کونسا معاملہ تمہارے ہاتھ سے گیا اور جب تک رہو گے ہاتھ سے جاتا ہی رہے گا اور زیادہ سے زیادہ غریب ہوتے چلے جاؤ گے۔ جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اب جب کہ آپ مبتلا ہو گئے تو کوشش کرو کہ شریعت کا التزام اور اس کی استقامت تمہارے ہاتھ سے نہ جائے اور شغل باطن میں فتور نہ پڑے اگرچہ اس کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے کہ جمع ضدین ہے۔

اس قدر ضرور ہے کہ جو وضع آپ نے اختیار کی ہے اور جس خدمت پر آپ مامور ہوئے ہیں اس میں اگر اپنی نیت صحیح کر لیں تو جہاد میں داخل ہے اور نیک عمل ہے لیکن نیت کی درستی مشکل کام ہے۔ آج یہ خدمت جو فی الجملہ اچھی ہے کل کو ہی شاید کوئی ایسی خدمت فرمائیں جو عین وبال ہو مختصر یہ کہ کام مشکل ہے ہوشیار رہیں۔ خبر شرط ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۵۶

حضرت مجدد صاحب کے پیرزادہ خواجہ محمد عبد اللہ اور خواجہ جمال

جمال الدین حسین والد خواجہ حسین عرین احمد کی طرف صادر فرمایا۔

(صحبت گزشتہ کے فوت ہونے پر افسوس اور اسرار جدیدہ کی طرف اشارہ کے بیان میں۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

میری دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک اور کانوں کی مسرت خواجہ محمد عبد اللہ و خواجہ جمال الدین حسین ظاہری اور باطنی اطمینان سے آراستہ رہیں۔ آپ نے خفت اختیار کی ہے اور بڑی نامہربانی ہے کہ ہمسائیگی کا قرب حاصل ہونے کے باوجود سرہند میں نہیں پہنچے اور نہ اس غریب کو پوچھا اور حقوق شناسائی بجا نہ لائے اور خواجہ محمد افضل کا کیا گلہ کروں۔ آشنائی میں ان سے ہمیشہ کئی مراحل تک دور رہتے ہیں۔ بلکہ ہماری آشنائی سے خوف زدہ ہیں۔

میر منصور بیگ سے کیا کہوں کہ وہ ہمیشہ صحبت کی آرزو رکھتے ہیں اور امکان سے وجود میں نہیں

لائے۔ فقہائے عظام کا قول ہے۔

الرَّاضِی بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ۔ (جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا)

لشکر اگرچہ ظاہری طور پر ظلمات ہے لیکن آب حیات کو شامل ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اگرچہ بطریق قلت ہی سہی ایسے موتی ہاتھ آتے ہیں کہ دوسری جگہوں میں اگر اس گوہر سے کمتر بھی میسر ہو تو غنیمت ہے۔ جس سپاہی نے قدر و قیمت پیدا کی ہے تو وہ اس کو دشمنوں کے غلبے کے وقت میسر ہوتی ہے اگرچہ سلامتی گوشے میں ہے۔ لیکن جہاد اور شہادت کی دولت میدان جنگ میں ہے گوشہ اور زاویہ عورتوں اور کمزور لوگوں کے مناسب ہے۔

حدیث میں آیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ (طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے)

طاقتور مردوں کا کام میدان جنگ میں لڑنا ہے۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰی سَبِیْلًا آپ کہیں ہر ایک اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے۔ سو تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اس کو جو زیادہ راہ پانے والا ہے۔

رخصت کی مدت گزارنے کے بعد جب لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوا تو فرزند محمد سعید کو ضرورت کے لئے گھر میں چھوڑا اور جب وہ فیوض و برکات و علوم و معارف جو کہ فرزند کی جدائی کے بعد ظاہر ہوئے ملاحظہ کئے تو ان کی جدائی سے پشیمان ہوا فرصت کو غنیمت سمجھا ان کو طلب کیا اس امید پر سب چھوٹے بڑے آگئے۔ کہ ان برکات سے گدائی کریں۔ عجیب معاملہ ہے کہ گویا ہم ملامتیہ گروہ میں ہیں یا قلندریہ جماعت میں۔ حالانکہ ہم ان دونوں فریق سے جدا ہیں اور کاروبار علیحدہ رکھتے ہیں۔

تھوڑا سا علوم جدیدہ میں سے سن لو۔ ایک مکتوب کا عنوان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ بیشک انسان پر ایسا وقت بھی آیا ہے جب کہ یہ کوئی چیز بھی قابل ذکر نہ تھا۔

ہاں اے میرے اللہ واقعی انسان پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے جب یہ کوئی چیز بھی قابلِ ذکر نہ تھا۔ نہ اس کی ذات تھی نہ صفت نہ شہود و نہ وجود الخ۔

اور آپ نے مکتوبات میں دیکھا ہوگا کہ میں نے زوال وجودی کو الحاد و زندقہ کی قسم سے شمار کیا ہے اور اس جگہ میں نے یہ عبارت لکھی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ کے کرم سے اس کا علاج کیا ہے۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا[1]

یہ تمام دولتیں ان واقعات کی برکات سے ہیں اگر وہ نہ ہوتے تو یہ بھی نہ ہوتیں۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مولانا محمد مراد چونکہ اس طرف جا رہے تھے لہذا دو کلمے لکھ دیئے گئے۔ انجام بخیر ہو۔

مکتوب نمبر ۵

مولانا حمید احمدی کی طرف صادر فرمایا

(حدوثِ عالم اور عقل فعال کے رد کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کے ساتھ موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی بذاتِ خود قائم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس طرح ہے ہمیشہ اسی طرح سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ عدمِ سابق اور عدم لاحق کو اس کی ذاتِ پاک کی جناب میں راہ نہیں ہے کیونکہ وجوب وجود اس بارگاہ مقدس کا کمینہ خادم ہے اور سلب عدم اس بارگاہ محترم کا کمترین خاکروب ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہے جس کا نام عالم ہے خواہ وہ عناصر و افلاک ہوں اور خواہ عقول و نفوس اور خواہ بسائط و مرکبات تمام خداوند تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں۔ اور عدم سے وجود میں آئے ہیں اور صرف خداوند تعالیٰ کے لئے قدم ذاتی اور زمانی ثابت ہے اور بس اور اس کے سوا جو بھی ہے اس کے لئے حدوثِ ذاتی اور زمانی ثابت ہے جیسا کہ زمین کو دو روز میں خلق فرمایا ہے اور آسمانوں اور ستاروں کو زمین کی پیدائش کے بعد دو روز میں عدم سے وجود میں لایا ہے۔

---

[1] میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کرو۔ ۱۲

آیت کریمہ

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا)

اور آیت کریمہ

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (پھر دو روز میں ان کو سات آسمان بنایا)

اس بات کی تصدیق ہے۔

وہ بیوقوف ہے بلکہ قرآنی نص کا منکر جو ماسوی میں سے بعض چیزوں کے قدیمی ہونے کے متعلق لب کشائی کرے اور افلاک و کواکب کے قدیمی ہونے کا حکم لگائے اور بسیط عناصر کو قدیم جانے اور عقول و نفوس کو ازلی و قدیم تصور کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے حادث ہونے پر تمام اہل ملت کا اجماع ہو چکا ہے اور سب نے عدم سابق کے بعد ماسوا کے وجود میں آنے کا حکم لگایا ہے۔ چنانچہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے اپنے رسالہ منقذ عن الضلال میں اس معنی کی تصریح کی ہے اور اس جماعت کی جو اجزائے عالم میں سے بعض اجزا کے قدیم ہونے کے قائل ہے اس وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پس ممکن اشیاء میں سے بعض کے قدیم ہونے کا حکم لگانا دین اسلام سے نکلنا ہے۔ اور فلسفہ میں داخل ہونا ہے۔

اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کے لئے عدم سابق ثابت ہے عدم لاحق بھی اس کا دامن گیر ہے۔ ستارے آسمانوں سے گر پڑیں گے اور آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اور سب معدوم ہو جائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی نص اس کی تصریح کرتی ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں فرمایا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ

پھر جب ایک ہی دفعہ نرسنگھا پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر ایک ہی دفعہ کوٹ دیئے جائیں گے۔ تو اس دن واقعہ ہونے والی واقع ہو گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس دن بالکل کمزور ہو گا۔

-:-

اور فرمایا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ — جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے گدلا جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ — جب آسمان پھٹ جائے گا اور ستارے جھڑ پڑیں گے۔

اور فرمایا ہے۔

اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ — جب آسمان پھٹ جائے گا۔

اور فرمایا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ — اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اور ان جیسی قرآن مجید میں بہت سی آیات وارد ہیں۔ کوئی جاہل ہی ہو گا جو ان کے فنا ہونے کا انکار کرے اور یا وہ ہو گا جس کا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اور فلاسفہ کی ملمع شدہ باتوں پر فدا ہے۔

مختصر یہ کہ ممکنات میں عدم لاحق عدم سابق کے اثبات کی طرح تسلیم کرنا دین کے ضروریات سے ہے اور اس پر ایمان لانا لازم ہے اور وہ جو علماء نے کہا ہے۔ کہ سات چیزیں فنا نہ ہوں گی۔ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ بہشت۔ دوزخ اور روح یہ باقی رہیں گی۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیزیں فنا قبول نہیں کرتیں اور زوال کی قابلیت نہیں رکھتیں۔

حَاشَا وَكَلَّا

بلکہ قادر مختار جل شانہ جس کو چاہے اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر وجود کے بعد فنا کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ — (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔)

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔

اور اپنے وجود و بقا میں اس کا محتاج ہے۔ کیونکہ بقا اس وجود کے نفس کا دوسرے اور تیسرے اور جہاں تک اللہ چاہے زمانہ میں برقرار رہنا ہے۔ اس وجود پر کوئی امر زائد نہیں ہے۔ کہ جس کا نام بقا ہو پس نفس وجود اور وجود کا برقرار رہنا دونوں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سپرد ہیں عقل فعال کیا ہوتی ہے۔ جو چیزوں کا سرانجام کرے اور حوادث اس کی طرف منسوب ہوں کیوں کہ اس کے اپنے وجود اور ثبوت میں ہزاروں شکوک ہیں کیونکہ اس کا تحقق اور اس کا حصول فلاسفہ کے ملمع شدہ مقدمات پر مبنی ہے جو کہ اسلام کے اصول حقہ کی رو سے ناتمام اور نامبارک ہیں۔

کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو اشیاء کو قادر مطلق جل شانہٗ سے روک کر ایسے امر موہوم کیطرف ان کو منسوب کرے بلکہ خود اشیاء کو ہزار عار و ننگ ہے کہ فلسفی کی من گھڑت چیز کی طرف وہ منسوب ہوں۔ بلکہ اشیاء اپنے عدم پر راضی اور خوش ہیں اور ہرگز وجود کی رغبت نہ کریں گی اس سے کہ ان کے وجود کو سفسطی کی بنائی ہوئی چیز کی طرف منسوب کیا جائے اور قادر مختار جل سلطانہٗ کی قدرت کی طرف ان کو منسوب ہونے کی سعادت سے محروم کر دیا جائے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ — بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔ وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۵۸

خواجہ صلاح الدین احراری کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ وجود ممکنات کی نمود و خلق مرتبہ وہم و حس میں ہے جس نے استحکام پیدا کر لیا ہے)

كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ۔ (اللہ تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی)

اور جب اس نے چاہا کہ اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم نے مظاہر میں سے ایک مظہر کا مطالبہ کیا۔ تاکہ اپنے کمالات کو اس مظہر میں جلوہ گر کرے اور وجود اور توابع وجود کی مظہریت کے لئے عدم کے سوا اور کوئی چیز قبول کرنے والی نہیں تھی۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اور مظہر اس شے کے مقابل اور اس سے علیحدہ ہے۔ اور وجود کا مباین اور مقابل صرف عدم ہے۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عالم عدم میں اپنے اسماء میں سے ہر اسم کے لئے مظاہر میں سے ایک مظہر متعین فرمایا۔ اور اس کو مرتبۂ حس و وہم میں جب چاہا اور جس طریقہ پر چاہا پیدا کیا۔ "اس نے اشیاء کو جب چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا"۔ اور اپنی جملہ اس کے ساتھ وابستہ کیا۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عدم خارجی کے منافی ثبوت خارجی ہے وہ ثبوت منافی نہیں جو مرتبۂ حس و وہم میں پیدا کرے کہ وہ منافات کی بو نہیں رکھتا اور عالم کا ثبوت مرتبۂ وہم و حس میں ہے نہ کہ مرتبۂ خارج میں کہ وہ اس کے منافی ہو۔ پس جائز ہے کہ عدم حس و وہم کے مرتبہ میں ثبوت پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کی صنعت سے اس کو اس جگہ استواری اور مضبوطی حاصل ہو اور اس مرتبہ میں بطریق انعکاس وظل وہ زندہ اور علم والا اور قدرت والا اور ارادہ کرنے والا اور دیکھنے والا اور سننے والا اور بولنے والا ہو اور مرتبۂ خارج میں اس کا کوئی نام ونشان نہ ہو اور خارج میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز ثابت اور موجود نہ ہو اور اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے۔

(اب بھی وہ ویسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔)

اس کی مثال تیزی سے گردش کرنے والے نقطہ اور دائرہ موہومہ کی سی ہے کہ موجود تو صرف وہی نقطہ ہے اور بس اور دائرہ خارج میں معدوم ہے۔ وہ خارج میں کوئی نام ونشان نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے باوجود اس دائرہ نے مرتبۂ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور اس مرتبہ میں بطریق ظلیت اس کو چمک دمک حاصل ہے۔ اس تحقیق سے ان لمبے چوڑے مقدمات سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو کہ شیخ محی الدین ابن عربی اور اس کے متبعین نے فرمائے ہیں اور تنزلات کا بیان کیا ہے اور تعینات علمی وخارجی بنائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مرتبہ میں حقائق اور اعیان ثابتہ کو ثابت کیا ہے اور ان کے عکوس کو خارج میں جو کہ ظاہر وجود ہے مقرر رکھا ہے اور ان کے آثار کو خارجی کہا ہے جیسا کہ ان کے کلام کو انصاف سے دیکھنے والے اور ان کی اصطلاحات کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے سوا خارج میں موجود نہیں ہے۔ کیا ذوات اور کیا ذوات کے صفات بلکہ ان کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم میں ہے اور کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ یہ عالم موہوم نہیں ہے کہ جس نے وہم کے اختراع سے ثبوت پیدا کیا ہے کہ وہم کے زوال سے وہ زائل ہو جائے گا بلکہ اس کا ثبوت خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبۂ وہم میں ہے اور کسی مرتبہ میں ثبات و تقرر اور استواری اور استحکام رکھتا ہے۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ۔ اللہ کی صنعت سے ہر چیز کو مضبوط کر دیا۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم میں تعین و تمیز پیدا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی صنعت سے دوسری مرتبہ حس و وہم کے مرتبہ میں ثابت ہوئے ہیں۔ اور بعض ان میں سے اللہ جل شانہٗ کے اسماء کے آئینہ بنے اور اس مرتبہ میں بطور ظل و انعکاس زندہ و عالم و قادر و مرید اور دیکھنے اور سننے اور بولنے والے ہوئے۔

اور شیخ اور اس کے متبعین کی تحقیقات کے مطابق ممکنات کے حقائق اسماء الٰہی جل سلطانہٗ کے صُوَر علمیہ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے تنزلات خمسہ میں سے ایک ہیں۔ مختصر یہ کہ اس فقیر کے فہم کے نزدیک ممکنات کے حقائق عدمات ہیں اور حضرت شیخ کے نزدیک وجودات منزلہ اور حضرت شیخ نے کثرت کی نمود کو خارج میں ثابت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ صُوَر علمیہ متکثرہ جو کہ ممکنات کے حقائق ہیں اور ان کو اعیانِ ثابتہ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود ظاہر کے آئینہ میں کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ منعکس ہوتے ہیں اور خارج میں ظہور پیدا کیا ہے۔ اور ایسا دکھائی دیتے ہیں کہ خارج میں ہیں اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز خارج میں موجود نہیں ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ صورِ علمیہ میں سے ہر ایک کو اوقات میں سے کسی وقت میں ظاہر وجود کے ساتھ جو کہ ان صُوَر کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ نسبت مجہول الکیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ خارج میں اس کے نظر آنے کا سبب ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ مجہول الکیفیت نسبت کسی کو بھی معلوم نہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی گئی ہے۔ اور خارج میں ان صورتوں کے اظہار کو اس مجہول الکیفیت نسبت کے حصول کے بعد خلق کہا ہے اور ایجاد اشیاء جانا ہے۔

اور اس سابق تحقیق کے مطابق کہ اس فقیر کو اس کی راہنمائی ہوئی ہے۔ جس طرح اشیاء کا خارج میں وجود نہیں ہے۔ ان کی نمود بھی خارج کے خانہ میں اسی اپنی بے رنگی پر ہے۔ اس میں نہ غیر کا وجود ہے اور نہ نمود۔ اگر اس کی نمود ہے تو وہ بھی مرتبۂ وہم میں ہے اور اگر ثبوت ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی صنعت سے مرتبۂ موہوم میں ہے۔ مختصر یہ کہ اس کی نمود اور اس کا ثبوت ایک ہی مرتبہ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نمود ایک جگہ میں ہو اور اس کا وجود دوسری جگہ میں مثلاً دائرہ موہومہ جو کہ

نقطہ جوالہ (گردش کرنے والا) سے پیدا ہوا ہے جس طرح اس کا ثبوت مرتبۂ وہم میں ہے اس کی نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کہ اس کا نقش وہم میں ہے نہ خارج میں اور نمود بھی اسی مرتبہ میں ہے کیونکہ خارج میں اس کا کوئی نشان نہیں ہے کہ وہ ظاہر ہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نمود وہمی کو نمود خارجی سمجھتے ہیں جس طرح کہ عالم مثال میں بیداری کی حالت میں باطن کی حس سے صُوَر مثالیہ کو دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان صورتوں کو عالم شہادت میں اور حس ظاہری سے دیکھتے ہیں اور اس قسم کے اشتباہ بہت واقع ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو دوسرے مرتبہ سے مشتبہ پاتے ہیں اور ایک کا حکم دوسرے پر لگا دیتے ہیں۔ پس جس بحث میں ہم ہیں وہ دائرہ موہوم جو کہ خیال میں منتقش ہوا ہے خیال کی آنکھ سے اس مرتبہ میں کہ جس میں وہ منتقش ہے دیکھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اس کو ظاہری آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ایسا نہیں ہے۔

کیونکہ اس دائرہ کا خارج میں کہ نقطہ جوالہ کا محل ہے کوئی نام ونشاں نہیں ہے تاکہ وہ دیکھا جا سکے اور آدمی کی صورت جو آئینہ میں منعکس ہوئی ہے وہ بھی اسی دستور پر ہے کہ صورت کا نہ خارج میں ثبوت ہے اور نہ نمود۔ بلکہ اس کا ثبوت ونمود دونوں مرتبہ خیال میں ہیں۔ واللہ سبحانہٗ اعلم۔

پس جس کو شیخ قدس سرہ نے خارج سمجھا ہے اور چیزوں کا اس میں بطریق انعکاس نمود ثابت کیا ہے وہ خارج نہیں ہے بلکہ مرتبۂ وہم ہے جس نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے تقرر وثبات پیدا کیا ہے اور خارج متوہم ہوتا ہے۔ اور خارج اس سے آگے ہے جو ہمارے شہود واحساس سے بہت بلند ہے اور وہ جو ہمیں مشہود ومحسوس ومعقول ومتخیل ہوتا ہے۔ یہ سب دائرہ وہم میں داخل ہے۔ موجود خارجی جل سلطانہٗ ہمارے وہم سے دور بہت دور ہے اس جگہ آئینہ کی کیا گنجائش رکھتی ہے اور وہ کونسی صورت ہو سکتی ہے جو اس حضرت سبحانہٗ میں منعکس ہو آئینے اور صورت سب ظلال کے مراتب میں ہیں کہ جس کا تعلق دائرہ وہم وحس سے ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

مکتوب نمبر ۵۹

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صادر فرمایا

(حوادث روز مرہ کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے اور ان سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی شاہراہ پر استقامت عطا فرمائے اور پوری طرح اپنی جناب قدس کا اسیر بنالے۔

فرزند عزیز باتمیزا

روز مرہ کے حوادث چونکہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے ارادہ سے ثابت ہیں اور اس کے فعل سے ثابت ہیں تو اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کر کے ان حوادث کو اپنی مراد بنانا چاہیئے اور ان سے لذت حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر بندگی ہے تو اس نسبت کو پورا کرنا چاہیئے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو بندگی سے سر کھینچنا ہے۔ اور اپنے مولا جل شانہ سے جنگ کرنا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ وَلْیَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ ۔

جو میری تقدیر پر راضی نہ ہوا اور میری مصیبت پر صبر نہ کرے وہ میرے سوا کوئی اور رب بنالے اور میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے۔

ہاں فقراء اور مساکین اور کمزوروں کی ایک جماعت آپ کی رعایت اور حمایت سے آسودہ اور مرفہ حال ہے۔ چونکہ یہ بھی اپنا ایک مالک رکھتے ہیں اور وہ ان کو کافی ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی باقی رہ گئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اس کی جزا دنیا اور آخرت میں عطا کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۰

آپ نے پیر زادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کی ذات عدم ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال کا اس میں عکس ہے اور یہ کہ انسان کی ذات اس کا نفس ناطقہ ہے ۔ نفس و قلب اور علم حصولی اور علم حضوری کے بیان میں)

صرف وہی موجود و آشکارا ہے پاک ہے وہ اللہ جو حدوث اکوان کی وجہ سے اپنی ذات و صفات و اسماء میں متغیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ حدوث اکوان میں ہر تغیر و تلون جو ظاہر ہوا ہے وہ عدم کے مراتب میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی تنزل اور تبدل خواہ وہ خارج میں ہو خواہ علم میں ہو راہ نہیں پاسکتا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے چاہا کہ اپنے ذاتی و صفاتی و اسمائی کمالات کو ظاہر کرے اور اشیاء کے آئینہ میں ان کو جلوہ گر کرے تو ہر کمال کے لئے عدم کے مراتب میں اس کمال کے برخلاف کو کہ وہ اس کے مقابل تھا اور تمام اعدام کی نسبت سے متمیز ہے ۔ اس کمال کی مرآتیت کے لئے متعین فرمایا ۔ کیونکہ کسی شے کا آئینہ اس شے کا مقابل ہے ۔ اور اس شے کے ظہور کا سبب ہے "چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں"

اور ان اعدام کو کہ ان کمالات کی آئینگی کی قابلیت رکھتے ہیں ۔ جب چاہا مرتبہ حس و وہم میں ایجاد کیا اور ان کو استقرار و استحکام بخشا اور ان تمام کمالات کو ان میں منعکس کیا اور اس انعکاس سے ان اعدام کو اس مرتبہ میں زندہ اور عالم اور قادر اور ارادہ کرنے والا اور سننے والا۔ دیکھنے والا اور بولنے والا بنایا لیکن محسوس ہوا ہے کہ پہلے عدم میں تصرف کرتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کسی دوسری چیز کو ملائیں اور اس کو اس تصرف سے نرم اور ملائم کرتے ہیں اس کے بعد اس میں کمال کا ظہور کرتے ہیں ۔ جس طرح کہ پہلے موم کو نرم اور ملائم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے صورت و اشکال پیدا کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ عدم سے مراد اس جگہ عدم خارجی ہے جو وجود خارجی کے مقابل ہے پس اس کی ایجاد کے منافی جو کہ مرتبۂ وہم میں واقع ہوتا ہو گا اور ثبوت وہمی اس سے کوئی جنگ نہیں رکھتا ۔ باوجود اس کے کہ میں کہتا ہوں کہ عدم کا منافی وجود ہے ۔ جو کہ اس کا نقیض ہے ۔ اور عدم وجود نہیں ہوتا لیکن اگر بالفرض عدم موجود ہو جائے تو بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا ۔ جیسا کہ حکماء نے وجود کے متعلق کہا ہے جو کہ معقولات ثانویہ سے ہے جو کہ خارج میں معدوم ہے ۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اشیاء کے حقائق اعدام ہیں کہ مرتبہ وجود تعالیٰ

شانہٗ کے کمالات ان میں منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے خداوندی جل سلطانہٗ کی ایجاد سے وہمی ثبوت و تحقق پیدا کر لیا ہے اور مرتبہ حس و وہم میں استقرار و استمرار حاصل کیا ہے گویا کہ اشیاء کی ذوات تو وہ اعدام ہیں اور ان میں کمالات کا انعکاس ان اعدام کے ہاتھ پاؤں کی طرح ہیں اور اس کے قویٰ بمنزلہ جوارح ہیں۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد چند باتیں اصل مقصد سے جو کہ ولایت خاصہ سے تعلق رکھتی ہیں مذکور ہوتی ہیں۔ گوش ہوش سے سننا چاہیئے۔ جان لے کہ اللہ تیرا بھلا کرے اور تجھے سیدھے رستے کی رہنمائی کرے کہ انسان کی حقیقت اور اس کی ذات عدم ہے جو کہ نفس ناطقہ کی حقیقت ہے اور ابتدا میں اس نفس کو نفس امارہ کہتے ہیں اور انسان کا ہر فرد "میں" کے لفظ سے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس انسان کی ذات نفس امارہ ہوتا ہے اور انسان کے باقی لطائف اس کے لئے قویٰ و جوارح کی طرح ہیں اور چونکہ عدم بذات خود محض شر ہے وہ بھلائی کی بو بھی نہیں رکھتا تو نفس امارہ بھی خالص شر (برائی) ہوتا ہے اور اس میں بھلائی کی بو نہیں ہوتی اور یہ بھی شرارت و جہالت ہے کہ منعکس ہونے والے کمالات کو جو کہ اس کے اندر بطریق ظلیت ظاہر ہوتے ہیں اپنی طرف سے جانتا ہے اور ان کے قیام کو جو اپنے اصل کے ساتھ ثابت ہیں اپنے نفس کی طرف نسبت کرتا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالات کی وجہ سے کامل اور خیر جانتا ہے۔ اور اس وجہ سے سرداری کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے خدا جل سلطانہٗ کے ساتھ ان کمالات میں اپنے آپ کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے اور طاقت اور قوت کو اپنی طرف سے تصور کرتا ہے اور اپنے آپ کو متصرف سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ سب اس کے تابع رہیں اور وہ کسی کے تابع نہ ہو اور اپنے آپ کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اور دوسروں کو اپنے لئے دوست رکھتا ہے نہ کہ ان کے لئے اور ان فاسد خیالات کی بنیاد پر اپنے مولا جل سلطانہٗ سے ذاتی عداوت پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس کے اتارے ہوئے احکام کا معتقد نہیں ہوتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے۔

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِيْ۔ — اپنے نفس سے دشمنی رکھ کہ یہ میری دشمنی پر کھڑا ہو گیا ہے۔

اور حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کمال رافت و رحمت سے اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جو کہ جہانوں کے لئے رحمت ہیں تاکہ خداوند تعالیٰ کی طرف دعوت دیں۔ اور اس دشمن کے کارخانہ کو تباہ و برباد کر دیں اور اس کو اپنے خالق اور مولا کی طرف رہنمائی کریں۔ اور اس جہالت اور خباثت سے اس کو باہر نکالیں اور اس کی شرارت اور نقص پر مطلع کریں پھر جو آدمی ازلی سعادت رکھتا تھا اس نے ان بزرگواروں کی سعادت کو قبول کیا اور اپنی جہالت و خباثت سے باز آ گیا۔ اور احکام منزلہ کا تابع ہوا۔

جاننا چاہیئے کہ تزکیہ نفس کا طریقہ دو قسم پر ہے۔ ایک طریقہ وہ ہے جو ریاضت اور مجاہدات سے تعلق رکھتا ہے اور یہ انابت کا طریقہ ہے جو مریدوں سے مخصوص ہے اور دوسرا طریقہ جذب اور محبت کا طریق ہے جو کہ اجتباء کی راہ ہے اور یہ مرادوں سے تعلق رکھتا ہے اور ان دونوں طریقوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا طریق تو مطلوب کی طرف چل کر جاتا ہے۔ اور دوسرا طریق مقصود تک لے جاتا ہے اور جانے اور لے جانے میں بڑا فرق ہے اور جب سابقہ کرم کی بنا پر کسی صاحب دولت کو چاہتے ہیں کہ اجتباء کی راہ سے لے جائیں تو اس کو جناب قدس میں جذب اور محبت عطا فرماتے ہیں اور کشاں کشاں لے جاتے ہیں اس دوران میں کوئی سعادت مند ہوتا ہے جس کو فنا کی حد تک لے جاتے ہیں اور ماسوا کی دید و دانش سے رہا کر دیتے ہیں۔ اور انفس و آفاق سے گزار دیتے ہیں۔

آفاق کا نسیان دل کی فنا سے وابستہ ہے اور انفس کی فنا نفس امارہ کی فنا پر موقوف ہے پہلے میں علم حصولی کا زوال ہے اور دوسرے میں علم حضوری کا زوال ہے اور علم حضوری کا زوال اس وقت تک متصور نہیں ہوتا جب تک کہ نفس حاضر کا زوال متحقق نہ ہو کیونکہ جب تک حاضر قائم ہے علم حضوری اپنی جگہ پر ہے کیونکہ علم حضوری نفس حاضر سے عبارت ہے نہ کہ اس پر کوئی زائد امر ہے۔ پس زوال شہودی فنائے نفس میں اس کے زوال وجودی سے عبارت ہے۔ برخلاف زوال شہودی کے کہ اس کو فنائے قلب میں اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ وجود قلب کے زوال کو مستلزم نہیں ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لے یہ ایسا باریک فرق ہے جس کی بہت کم راہنمائی ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تنبیہ:۔

کوئی نادان یہ خیال نہ کرے کہ زوال نفس حاضر تو مقام بقا باللہ میں جو کہ توحید وجودی والوں کو میسر ہوتا ہے بھی حاصل ہے کیونکہ اس مقام میں حاضر تو اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ نفس سالک جو

کہ فانی ہو چکا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس مقام میں حاضر نفس سالک ہے کہ اس کو عنوان حقیقت سمجھا ہے نہ کہ حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کہ وہ اس تعین اور اس حضور سے پاک اور منزہ ہے۔ اسی قبیل سے ہے جو کہا گیا ہے ۔

بخواب اندر مگر موشے شتر شد[1]

اس جگہ نفس حاضر کے علم کا زوال ہے جو کہ علم حصولی کی قسم سے ہے نہ کہ نفس حاضر کا زوال جو کہ علم حضوری کے زوال کو مستلزم ہوتا ہے اور نفس حاضر کا زوال ذات وصفات کے زوال سے عبارت ہے نہ کہ نفس حاضر کے علم کا زوال۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب نمبر ۱۶

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید مدظلہ کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ بعض مظاہر کی رویت عارف کے لئے عروج کا زینہ ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی)

جب عارف کا معاملہ خالص اللہ تعالیٰ کی ذات تک چلا جاتا ہے اور تمام نسبتیں اور اعتبارات ساقط ہو جاتی ہیں اور اس مقام میں عروج مشکل ہو جاتا ہے اور بغیر علاقہ و تعلق کے اس سے باہر آنا مشکل ہو جاتا ہے تو اس وقت کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بحکم

اَلنَّظْرَۃُ الْاُوْلٰی لَکَ۔ (پہلی نگاہ تیرے لئے فائدہ مند ہے)

پہلی نگاہ جو مظاہر جمیلہ سے تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس مقام میں مدد کرتی ہے اور بڑی تیزی سے بلندی پر لے جاتی ہے اور مجاز سے جس کو حقیقت کا پل کہا گیا ہے حقیقت تک پہنچا دیتی ہے لیکن ایسے وقت میں دوسری نگاہ سے جس کو

[2] اَلنَّظْرَۃُ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ (دوسری نگاہ تجھ پر وبال ہے۔)

حفاظت لازم ہے کہ وہ مضر اور سم قاتل ہے۔ اس جگہ امداد و اعانت کا کیا تصور

---

[1] خواب میں شاید کوئی چوہا اونٹ ہو گیا ہو

[2] یہ حدیث مسند احمد، ترمذی۔ ابو داؤد اور دارمی میں ہے۔ مشکوٰۃ۔

ہو سکتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِی الْحَرَامِ (اللہ تعالیٰ نے حرام میں شفا نہیں رکھی۔)[1]

شِفَاءً۔

محسوس ہوا ہے کہ اگر خام طبع کی وجہ سے دوسری نظر واقع ہوئی ہے تو خالی گئی ہے اور دوسرے اینٹھے روڑوں کی طرح پائی ہے اور جن لوگوں کے دوسری تیسری اور چوتھی نظر کو جو مظاہر جمیلہ سے تعلق رکھتی ہے کو مفید سمجھا ہے اور حقیقت کے عروج کے اسباب میں سے اس کو جانا ہے۔ وہ لوگ ارباب استدراج ہیں اور وہ حقیقت جس کی طرف وہ عروج کرتے ہیں عالم مجاز سے ہے۔

آیت کریمہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔[2] آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

اس جماعت کے رد میں کافی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس وقفہ میں ہمسائیگی کی تاریکیاں فائدہ مند ہوتی ہیں اور ہمسایوں کا کفر و فسق امداد کرتا ہے اور جتنی بھی یہ تاریکی زیادہ ہوگی زیادہ امداد کرے گی۔ اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ فیوض جو اس جماعت پر وارد ہوتے ہیں۔ جو ظلمت کے اندھیروں میں غرق ہے تو ان کی ناقابلیت کی وجہ سے وہ فیوض ان کو نہیں ملتے بلکہ دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو ان کے حضور میں باحضور ہوتا ہے اور وہ شخص دوسروں کے فیوض سے ترقیات حاصل کرتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کیونکہ اپنے بلند درجہ کی وجہ سے اس عارف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ وارد ہونے والے فیوض اس کے ماحول میں نہ پہنچیں چہ جائے کہ ان کی امداد سے وہ عروج حاصل کرے۔ ان بزرگوں کا کارخانہ بہت بلند ہے ہر عمل اور ہر فیض اس جگہ نافع نہیں ہے۔

بلکہ اس جگہ ایک نہایت باریک راز ہے جو کہ ارباب حال پر منکشف ہے اس قدر اس کو ظاہر کرتا ہوں کہ نور کے کامل طور پر ظاہر ہونے کے لئے اندھیرا بھی درکار ہے۔

[1] شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ میں فرمایا کہ حدیث کے یہ الفاظ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ اس مضمون سے ملتی جلتی ایک حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے۔

[2] سورہ نور پارہ ۱۸-۳۰۔

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ (چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہے)
آپ نے سنا ہو گا۔
اور چونکہ ظلمت کا ارتکاب منع ہے لہذا کمال کرم سے ہمسایہ کی ظلمت ہی کو معتبر رکھا ہے۔ اور ظہور نور میں جو کہ نور الانوار ہے نافع کیا ہے۔ اگر کہیں کہ طاعات و عبادات کو خصوصاً فرائض کی ادائیگی کو اس مقام میں کیوں نفع نہیں ہوتا اور کیوں اس کی عروج میں امداد نہیں کرتیں۔
میں کہتا ہوں کہ کیوں نافع نہیں ہیں اور کیسے عروج میں امداد نہیں کرتیں۔ لیکن کامل نفع و امداد جو پہلے حاصل ہوتا تھا اس وقت حاصل نہیں ہے اور اسباب خارجی کی طرح جو کہ اوپر مذکور ہوئے اور ان جیسے اور اسباب نافع نہیں ہیں اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتے ہیں۔ تو پاک ہے ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے بغیر کوئی علم نہیں ہے یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔
والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۶۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مد ظلہ العالی کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ انسان کے عدم ذاتی کی بنا پر اس کی فنائے وجودی نہیں ہوتی)

انسان کی حقیقت اور ذات نفس ناطقہ ہے جو لفظ "میں" سے انسان کا مشار الیہ ہے۔ اور نفس ناطقہ کی حقیقت عدم ہے کہ اس نے وجود اور صفات وجود تعالیٰ شانہٗ کے پرتو سے اپنے آپ کو موجود تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو زندہ و عالم اور قادر مستقل طور پر سمجھ لیا ہے اور ان صفاتِ کمال یعنی زندگی و علم وغیرہ کو اپنی طرف سے تصور کر لیا ہے اور اپنے آپ کو قائم بالذات سمجھ لیا ہے۔ اور اس وہم سے اپنے آپ کو کامل اور خیر مطلق کر لیا ہے اور اپنے ذاتی نقص اور شرارت کو جو کہ عدم سے پیدا ہوئی ہے اور جو محض شر ہے فراموش کر دیا ہے۔
اور جب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کو پہنچتی ہے اور جہل مرکب اور جھوٹی تکذیب سے اس کو آزاد کر دیتی ہے تو جانتا ہے کہ یہ کمالات تو دوسری جگہ سے آئے ہیں اور یہ صفاتِ کاملہ اس کی اپنی نہیں ہیں نہ اس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ جاننے لگتا ہے کہ اس کی

اپنی حقیقت اور ذات عدم ہے جو کہ محض شر اور نقص خالص ہے۔ اور یہ دیکھنا اگر خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے غالب آجائے اور پوری طرح کمالات کو اس کے صاحب کی طرف لے جائے اور اس امانت کی ادائیگی پوری طرح اس کے اہل تک پہنچائے تو وہ اپنے آپ کو عدم محض پاتا ہے اور خیریت کی بو بھی اپنے اندر نہیں رکھتا تو اس وقت نہ اس کا نام رہتا ہے نہ نشان نہ ذات رہتی ہے نہ صفت کیونکہ عدم محض لاشے ہے کہ وہ مراتب میں سے کسی مرتبہ میں بھی ثبوت نہیں رکھتا اور اگر بالفرض مراتب میں سے کسی مرتبہ میں ثبوت متحقق ہو تو اس سے پورے کمالات مسلوب نہیں ہوتے کیونکہ ثبوت خود عین کمال ہے بلکہ ام الکمالات ہے۔

اس تحقیق سے لازم آیا کہ اس فنا کے حصول میں جو اتم واکمل ہے وجودی فانی زوال کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا ہرگز وجود نہیں ہے تاکہ زوال متصور ہو وہ ایک عدم تھا جو وجود کے وہم سے اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے اور جب یہ وہم زائل ہو گیا اور زوال شہودی سے متصف ہوا تو خالص عدم ہو گیا۔ جو کہ ہالک اور لاشے ہے پس زوال شہودی سے چارہ نہیں ہوتا اور زوالِ وجودی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اللہ سبحانہٗ حقیقت حال کو بہتر جانے

مکتوب نمبر ۶۳

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کے احاطہ و قرب و معیت کا راز کیا ہے اور یہ کہ یہ راز عظیم قرآن مجید کے مشکل و مجمل مقامات میں سے ہے)

قرب ومعیت اور احاطہ و سریان اور وصل و اتصال اور توحید و اتحاد اور ان جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کے متعلق متشابہات اور شطحیات کے قبیل سے ہیں۔ وہ قرب ومعیت اور وصل و اتصال جو ہمارے فہم میں آتا ہے اور جس کو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اس مدرک اور معلوم سے پاک و مبرا ہے۔ لیکن آخرکار اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ قرب وغیرہ اس قرب و اتصال جیسا ہے جو کہ آئینہ اور اس صورت کے درمیان ہوتا ہے جو اس آئینہ میں متوہم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عالم سے قرب و اتصال موجود کا موہوم سے اتصال ہے اور چونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ موجود حقیقی ہے اور عالم مرتبہ حس و وہم میں پیدا ہوا ہے تو لازماً اللہ تعالیٰ واجب اور ممکن کے درمیان اتصال موجود کے موہوم سے قرب کی طرح ہے اور اس قرب و معیت سے خدا تعالیٰ کی جناب پاک میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ اگر خسیس چیزیں آئینہ میں منعکس ہوں اور آئینہ کو ان کا قرب و احاطہ حاصل ہو تو آئینہ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اور کوئی کمینگی اس میں سرایت نہیں کرتی کیونکہ جس مرتبہ میں آئینہ ہے ان خسیسہ متوہمہ اشیاء کو اس مرتبہ میں کوئی نام و نشان نہیں ہے کہ ان کی صفات اس میں تاثیر کریں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے جب عالم کو مرتبہ حس و وہم میں پیدا کیا ہے اور چاہتا ہے کہ اس مرتبہ کو اثبات و استقامت دے تو وہ احکام و آثار جو موجود پر مترتب ہیں اس موہوم پر جاری کئے اور آثار موجود کو موہوم پر مترتب کیا لہٰذا قرب و احاطہ موہومہ کو قرب و احاطہ موجودہ کی طرح اثبات فرمایا ہے اور احکام صادقہ سے بنایا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کسی خوبصورت شکل کو خارج میں دیکھنا لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ اسی طرح وہی صورت اگر آئینہ میں منعکس ہو اور اس جگہ ثبوت و ہی پیدا کرے تو وہ بھی لذت حاصل کرنے اور گرفتاری کا موجب ہے۔ باوجود اس کے کہ پہلی صورت موجود ہے۔ اور دوسری موہوم اور اثر کے حاصل ہونے میں دونوں شرکت رکھتی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موہوم کو موجود کے ساتھ ترتب احکام میں شرکت پیدا ہوئی اور موہوم میں موجود کی طرح اثر مترتب ہوئے تو اس موہوم نامراد کو موجود سے امید پیدا ہوئی اور موجود کے اتصال و قرب کی دولت کی خوشخبری اس کو حاصل ہوئی۔

هَنِيئًا لِأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا[1]
وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرب و اتصال اس معنی کے بغیر جس کا ذکر ہوا ہے جس طرح سے بھی تصور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں وہ تجسیم اور تشبیہ کی آمیزش سے پاک نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ ایمان لائیں اور ان کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں اور ان کو خداوند تعالیٰ کے علم کے سپرد کریں۔

---

[1] نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے جو وہ گھونٹ پیتا ہے۔

جب ان الفاظ کو ایک طرح کا بیان لاحق ہوا اگر متشابہات کی سے باہر لا کر ان کو مجمل یا مشکل میں داخل کریں تو اس کی گنجائش ہے اور حقیقت حال کو اللہ سبحانہٗ ہی بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۴

حضرات مخدوم زادگان کبار جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم سلمہا اللہ تعالیٰ وابقاہما کی طرف صادر فرمایا۔

(فنائے اتم کے بیان میں جو کہ زوال ذات و صفات سے وابستہ ہے اور وجود واجب سبحانہٗ کی تحقیق اور ممکن سے عدم کے زوال اور اس کے عروج و ثبوت کے بقا کا بیان اور دوسرے باریک نکات)

پوری فنا اس وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ فانی کی ذات و صفات کا زوال حاصل ہو جائے اور اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

سوال:-

ممکنات کی حقیقت جب کہ اعدام ہیں جنہوں نے نسبت سے امتیاز حاصل کیا اور اسماء و صفات واجبی جل سلطانہٗ کا آئینہ ہوئے جیسا کہ ہم نے اس معنی کی تحقیق اپنے مکاتیب میں کی ہے تو لازم آتا ہے کہ اس فنا کے حصول کی تقدیر پر کوئی نام و نشان عدم سے جو کہ اس کی حقیقت ہے ممکن میں باقی نہ رہے اور خالص وجود کے سوا اس میں کوئی چیز نہ رہے اس لئے کہ دو نقیض میں سے ایک کا زوال دوسرے کے نقیض کے حصول کو مستلزم ہے تاکہ ارتفاع نقیضین لازم نہ آئے اور صوفیہ کے نزدیک وجود عین واجب تعالیٰ ہے یا اس کی خاص ترین صفات میں سے ہے۔ اور ہر صورت میں حقیقت کا الٹ لازم آتا ہے اور یہ اتحاد و زندقہ کو مستلزم ہے۔

جواب:-

عدم کا نقیض ایسا وجود نہیں ہے جو عین واجب تعالیٰ ہو یا اس کی خاص ذاتی صفات میں سے ہو بلکہ عدم کا نقیض اس وجود کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور اس کے عکوس میں سے ایک عکس ہے۔ مختصر یہ کہ ہر وجود جس کے مقابل عدم ہے امکان کے مظان سے ہے اور رفع

عدم جو کہ اس کا نقیض ہے کی احتیاج رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ امکان کے دائرہ سے خارج ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے احتیاج رکھتی ہیں اور ہر ایک کے مقابل اعدام ثابت ہیں تو وہ امکان کی آمیزش سے باہر نہیں ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی احتیاج دامن گیر ہے اگرچہ وہ قدیم ہیں اور ذات واجب تعالیٰ سے جدا نہیں ہیں کیونکہ نفس احتیاج امکان کی دلیل ہے۔ اگر غیر کی احتیاج ہے تو نقص اور امکان کامل ہے اور امکان کے دائرہ میں داخل ہے اور اگر غیر کی احتیاج نہیں تو پھر بھی امکان کی بو رکھتی ہے۔ اگرچہ وہ امکان کے دائرہ میں داخل نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کہ ان کا کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے کمال سے کمتر ہے۔

پس وجوب کامل خدا تعالیٰ کی ذات کے لئے متحقق ہوتا ہے جو کہ نقص کے گمان اور قصور کے گمان سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات اگرچہ دائرہ وجوب میں قدم رکھتی ہیں لیکن چونکہ وہ ذات کی محتاج ہیں لہذا ان کا وجوب اللہ تعالیٰ کی ذات کے وجوب سے کمتر ہے جیسا کہ ان کا وجود بھی اللہ تعالےٰ کے وجود سے کمتر ہے کیونکہ صفات کا وجود عدم نقیض رکھتا ہے۔ جو کہ مثال کے طور پر عدم علم اور عدم قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود کا کوئی مقابل نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نقیض متصور ہو سکتا ہے کیونکہ اگر خداوند تعالیٰ کے وجود کو اعدام میں سے کوئی عدم نقیض ہو تو اس نقیض کے رفع کا محتاج ہوگا اور احتیاج نقص کی علامات سے ہے۔ جو کہ امکان کے حال کے مناسب ہے۔

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا

پوشیدہ نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق امکان کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے حدوث کا وہم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی صفات بذات خود قائم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے لحاظ سے واجب ہیں کیونکہ وہ ذات سے الگ نہیں ہیں اور اس معنی کا حاصل اگرچہ امکان تک کھینچنے والا ہے لیکن وہ حدوث کے وہم سے خالی ہے۔ اور نقیض کے حصول کا عدم جو کہ عدم ہوگا اللہ تعالیٰ کے لئے کشفی اور شہودی ہے۔ اگرچہ بصورت استدلال نظر آتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کہ کسی بدیہی بات پر استدلال کی صورت میں تنبیہ کریں۔

اب ہم اصل بات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن سے بر تقدیر فنا زوال عدم کے بعد وجود کے سوا کوئی اور چیز اس میں باقی نہیں رہتی اور سوائے ثبوت

اور تحقق کے کوئی چیز اس کے نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات اور صفت سے عدم منتفی ہو چکا ہے لیکن یہ وہ وجوب و ثبوت ہے جو کہ ممکن کے لئے وہم اور حس کے مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور آثار کو اس پر مترتب کیا ہے اور زوالِ عدم کے بعد اللہ تعالیٰ کے کمالات کا آئینہ بنا ہے جیسا کہ عدم زائل ممکن کی حقیقت ہوا ہے اور یہ ثبوت صفات سے زوال عدم سے پہلے عدم تھا کہ جس کو مرتبہ حس و وہم میں ثابت کیا اور اب وہی ثبوت زوالِ عدم کے بعد اس کا قائم مقام ہوا اور ممکن کی ذات بنا اور صفات کو اپنی طرف منسوب کیا اور عدم کا کارخانہ اس پر برپا ہوا اور یہ کارخانہ جو عدم کی نیابت کے ساتھ تھا اس حد تک ثابت ہے کہ اس ثبوت کا نقیض اپنی جگہ پر قائم ہے اور امکان کو بقا ہے۔

اور ثبوت کے نقیض سے معاملہ اوپر چلا جاتا ہے تو وجود کا کوئی مقابل نہیں رہتا بلکہ عدم کو بھی اس کے مقابلہ کی مجال نہیں رہتی اور امکان کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت دوسرا کاروبار دوسرا ہے اور دوسرے ہی ومساز و غمگسار ہیں

اَوْ اَدْنٰی (یا اس سے بھی بہت قریب)

کا راز اس جگہ سے تلاش کرنا چاہیے اور ہر وہ جگہ جہاں امکان کی آمیزش اور عدم کی مجال ہے اگرچہ نقیض کی صورت میں ہو وہ

قَابَ قَوْسَیْنِ (دو کمان کا اندازہ)

میں داخل ہے۔ اور جب امکان اور عدم پوری طرح اپنا سامان باندھ لیتے ہیں اور کوچ کا نقارہ بجاتے ہیں تو

اَوْ اَدْنٰی

کے کمالات سامنے آتے ہیں نہ اس طرح کہ اس وقت ممکن واجب تعالیٰ کی ذات ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا قیام اللہ تعالیٰ کی ذات سے ثابت ہو جاتا ہے اور وہ قیام جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ظلال میں سے کسی ظل کے ساتھ تھا زائل ہو جاتا ہے۔ ؎

کسے کو در خدا گم شد خدا نیست

اس عارف کا ذات واجب سے قیام اللہ تعالیٰ کی صفات کے قیام کی طرح ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں بلکہ اس کا قیام اس مرتبہ میں ہے کہ اس جگہ صفات کچھ بھی

ؔ جو آدمی خدا میں گم ہو وہ خدا نہیں ہے۔

ملحوظ نہیں ہیں۔ اگرچہ صفات کو ذات خداوندی سے علیحدگی نہیں ہے لیکن صفات کا قیام ازلی اور ابدی ہے اور وہ قدیم ہیں اور اس کا قیام ازلی نہیں ہے اور حدوث کے داغ سے داغدار ہے۔ لیکن صفات کے نقیض موجود ہیں جو کہ عدم ہیں مثلاً عدم علم عدم قدرت اور اس عارف کا معاملہ اعدام کی نقاضت سے اوپر چلا گیا ہے۔ جیسا کہ تحقیق ہو چکا۔

پوشیدہ نہ رہے کہ جب معاملہ نقاضت سے اوپر چلا جاتا ہے تو وجوب متحقق ہو جاتا ہے۔ اور ممکن واجب ہو جاتا ہے اور وہ محال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ واجب اس وقت ہو گا جب کہ وجود خارجی پیدا کرے گا اور ممکن کا ثبوت مرتبہ حس و وہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو وجوب وجود کہاں سے متصور ہو گا۔ اس بیان سے ایک اور فرق قیام صفات اور قیام عارف کے درمیان پیدا ہوا۔ کہ قیام صفات باعتبارِ وجودِ خارجی ہے اور قیام عارف باعتبارِ وجود وہمی اگرچہ اس نے ثبات و استقرار پیدا کیا ہے اور مبدأ آثار ہے۔

جاننا چاہیے کہ عارف سے

اَنَا (میں)

کی بقا عدم کی بقا تک ہے جو کہ اس کی حقیقت ہے۔ اور جب عدم زائل ہوا تو اَنَا کا کوئی مورد نہ رہا جس پر اس کا اطلاق کیا جا سکے۔ زوال عدم کے بعد ثبوت کے معاملات اگرچہ بڑا راز دامن رکھتے ہیں اور اگرچہ ثبوت ممکن کی ذات ہو چکا ہے لیکن کلمہ

اَنَا (میں)

کا اس جگہ کوئی مورد نہیں ہے۔ گویا کہ لفظ اَنَا حقیقت عدمیہ کے لئے وضع ہوا ہے۔ جو کہ حقیقتِ ثبوتیہ سے نفرت رکھتا ہے۔

ہاں ممکن میں جزو اعظم عدم ہے اور ممکن عدم سے ممکن ہوا ہے اور ممکن کا کارخانہ عدم سے فراخ ہوا ہے اور وہ احتیاج جو ممکن میں ہے وہ عدم سے آئی ہے اور وہ حدوث جو امکان کا دامن گیر ہے وہ بھی عدم سے ظاہر ہوا ہے اگر ممکن میں کثرت ہے تو وہ بھی عدم کی راہ سے آئی ہے اور اگر امتیاز ہے تو وہ بھی اس کی راہ سے ممکن کے حق میں وجود مستعار ہے اور وہ بھی خیالی اور وہمی ہے۔ اگرچہ اس میں ثبات اور استقرار ہے۔

جان لینا چاہیے کہ وہ صفات جو اللہ جل سلطانہٗ سے قیام رکھتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی

پوری ذات ان صفات میں سے ہر ایک صفت کے ساتھ ظہور فرماتی ہے یہ نہیں ہے کہ ذات کا کچھ حصہ ایک صفت سے متصف ہو اور دوسرا کچھ حصہ کسی دوسری صفت سے متصف ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تبعض و تجزی (حصے اور جزو ہونا) نہیں ہے وہ بسیط حقیقی ہے۔ ہر حکم جو اس جگہ ثابت کریں گے وہ کلیت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کی ساری علم ہے۔ ساری کی ساری ارادہ ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور وہ قیام جو عارف کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ جو پوری طرح اس کے رنگ میں باہر آتا ہے برخلاف دوسرے آئینوں کے کہ وہ اس کے تعین سے اپنی آئینگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس نے سمجھ لیا سمجھ لیا۔ ؎

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن[1]
مسلّم نیست طوطی را بعہد ات شکر خائی

اس طرح کا ظہور کہ آئینہ پوری طرح اس صورت کو ظاہر کرے اگر عارف کو فنائے اتم کے بعد اس ظہور کے ساتھ بقا پیدا ہوئی ہے تو اس کے اکمل تعینات سے ہوگا۔ کیونکہ وجود موہوب حقیقی نہیں ہے جو کہ اس کو ولادت ثانی سے میسر ہوا ہے اور یہ تعین باوجود حدوث و امکان کے چونکہ مرتبہ جمع سے پیدا ہوا ہے تو دوسرے تعینات پر جو اس مرتبہ سے پیدا نہیں ہوئے بزرگی اور فضیلت رکھتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن مجید کے کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف پر فضیلت حاصل ہے اگرچہ یہ دونوں حدوث و امکان سے داغدار ہیں۔ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو اپنی ظاہر بینی سے ان تعینات کو دوسرے تعینات کے برابر سمجھے اور قرآن مجید کے ان کلمات و حروف کو دوسرے کلمات و حروف کے برابر جانے اس جگہ سے عارف کی فضیلت کو سمجھ اور اس کی فضیلت دوسروں پر خدا تعالیٰ کے کلام کی طرح ہے دوسروں کے کلام پر قیاس کر۔

بیت:۔

ہرکس افسانہ بخواند افسانہ است[2]
وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

[1] اے سعدی تو قیامت بپا کرتا ہے اتنی میٹھی بات کہنا تیرے زمانہ میں طوطی کی میٹھی باتیں کرنا مسلم نہیں ہے۔ اچھی ماشے گلاسوں

جو لوگ محجوب[ش] تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح ان کو تصور کیا تو انہوں نے ان کا انکار کر دیا اور صاحب دولت لوگ کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے عنوان سے جانا اور دوسرے لوگوں سے ان کو ممتاز دیکھا۔ وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات ٹھہرے۔

تنبیہ:

بعض دقیق مطالب کی ادائیگی میں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے تعلق رکھتے ہیں عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ممکن کی صفات کے موہم ہوتے ہیں اور جو نقص و قصور کو مستلزم ہیں۔ ان الفاظ کو ظاہر سے پھیر دینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو تمام صفات نقص اور قصور کی علامات سے پاک اور منزہ جاننا چاہیئے اور بعض ایسے الفاظ جو شریعت میں اللہ تعالےٰ کے متعلق وارد نہیں ہوئے ہیں۔ مشائخ عظام کی تقلید میں ان کو بطریق مجاز استعمال کیا ہے مثلاً معیت وغیرہ میں ان سے لرزاں و ترساں ہوں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اگر یہ کہا جائے کہ تمہاری عبارات میں جو لفظ تجلی اور ظہور ظلی وغیرہ آئے ہیں تو ان سے مراتب ظہورات وجود کا تنزل لازم آتا ہے جیسا کہ دوسرے مشائخ نے کہا ہے حالانکہ تم تنزل وجود کا انکار کرتے ہو اس کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ تنزل اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ میں مظہر کو عین ظاہر کہوں جیسا کہ دوسرے کہتے ہیں۔ لیکن اگر میں عین نہ کہوں تو تنزل کیوں ہوگا؟ اور اس فقیر کے نزدیک پسندیدہ ظاہر کی مظہر سے عدم عینیت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

احاشیہ بقیہ صفحہ ۱۔ جس نے اس کو فسانہ سمجھا اور جس کی نگاہ نے اپنے آپ کو پرکھا وہ مردود ہے۔

ش حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل جاننے والے بد عقیدگی میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں ہدایت عطا کرے۔ ۱۲

مکتوب نمبر ۶۵

مولانا صفر احمد رومی کی طرف صادر فرمایا۔

(اس بیان میں کہ عارف کی ذات کی بقا کے بعد صفات میں سے ہر صفت اور لطائف میں سے ہر لطیفہ عارف کی پوری ذات میں پیدا ہوتا ہے)

پوری معرفت والے عارف کامل کو بقائے ذات کے بعد جب صفات و اخلاق کاملہ عنایت فرماتے ہیں تو صفات میں سے ہر صفت کے ساتھ وہ پوری ذات سے متصف ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کی ذات کا کچھ حصہ کسی صفت سے موصوف ہو اور کچھ حصہ کسی اور دوسری صفت سے متصف ہو مثلاً اس کی ذات پوری کی پوری علم ہوگی اور تمام آنکھ ہوگی اور ساری کی ساری کان ہوگی جیسا کہ محققین صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق کہا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پوری کی پوری علم ہے اور پوری کی پوری قدرت ہے اور پوری کی پوری کان ہے اور پوری کی پوری آنکھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو بہشت میں بے جہت دیکھیں گے کہ وہ خود پوری بصر (آنکھ) ہو چکے ہوں گے اور جب تمام آنکھ ہوں گے تو جہت کی کیا گنجائش ہوگی۔ صوفیاء نے کہا ہے کہ جو کچھ عام مومنوں کو بڑا کچھ دیکھنے کے بعد آخرت میں میسر ہوگا وہ اولیاء کو جو کہ خاص مومن ہیں دنیا میں میسر ہو جاتا ہے۔ کہ جو کچھ عوام کے لئے وعدہ ہے وہ ان کے لئے نقد ہے اور جو ان کے لئے وعدہ ہے اس کا اس سے قیاس کرنا چاہیئے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا[1]

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور لطائف میں سے ہر لطیفہ اس عارف کا اس وقت کلیت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے اور عارف پورے کا پورا لطیفہ روح ہو جاتا ہے اور پورے کا پورا لطیفہ قلب ہو جاتا ہے اور اسی طرح تمام لطائف انسانیہ کا حال ہے۔ مثلاً نفس ناطقہ و سِر و اَخفیٰ اور اس کے اجزاء میں سے ہر جزو اور عناصر میں سے ہر عنصر اسی طریقہ پر ہے کہ حکم کل پیدا کر لیتا ہے مثلاً عارف پوری طرح

[1] میرے باغ سے میری بہار کا قیاس کر۔

اپنے آپ کو عنصر خاک پاتا ہے اور پوری طرح عنصر آب تصور کرتا ہے۔

اور جب لطیفۂ قلب جو کہ حقیقت جامعہ ہے کل کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور اس کا وہ تعلق جو دل کے ٹکڑے گوشت سے تھا زائل ہو جاتا ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس وقت خالی ہو جاتا ہے تو بے روح جسم کی طرح نظر آتا ہے اور ایسا خیال گزرتا ہے کہ اس راہ سے آمد و رفت میں اس پر کوئی گرد نہیں پڑی ہے۔ اور وہ اپنی اصلی خالصیت پر ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پکی ہوئی دیگ میں کوئی کچا دانہ اپنی اصلی خالصیت پر قائم رہتا ہے نہ آگ کی حرارت اس میں اثر کرتی ہے اور نہ پانی کی رطوبت اس تک پہنچتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اس تعلق کے رفع ہونے اور خالی ہونے کے بعد باقی اجزا کی طرح رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اور دوسرے اجزا کی طرح کل کا حکم پیدا کر لیتا ہے۔

مکتوب ۶۶.

محمد مقیم تصوری کی طرف صادر فرمایا

ان کے سوال کے جواب میں کہ انہوں نے

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

کا معنی پوچھا تھا۔

میرے بھائی محمد مقیم نے پوچھا تھا کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيقَةِ (مجاز حقیقت کا پل ہے)

صوفیا نے کس حیثیت سے کہا ہے؛

جان لیں کہ مجاز حقیقت کا پل ہے کہ ظل سے اصل تک ایک شاہراہ کھلی ہے شاید اس اعتبار سے کہا ہے کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

کیونکہ ظل کی معرفت اصل کی معرفت کو مستلزم ہے اس لئے کہ ظل اپنے اصل کی صورت پر موجود ہے پس وہ اپنے اصل کے انکشاف کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کسی

چیز کی صورت وہ ہے جس کے ساتھ یہ چیز منکشف ہو جائے۔

لیکن جان لیں کہ

اَلْمَجَازُ قَنْطَرَةُ الْحَقِيْقَةِ

اس صورت میں ہے کہ مجاز میں گرفتاری درمیان میں نہ آئے بلکہ دوسری نظر تک نوبت نہ پہنچے وہ پہلی نظر ہے جو حقیقت کا پل ہے۔ کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو

اَلنَّظْرَةُ الْاُوْلٰى لَكَ (پہلی نظر تیرے لئے ہے)

فرمایا ہے گویا کہ

لَكَ (تیرے لئے)

کے لفظ سے اس دولت کے حصول کا اشارہ کیا ہے اور اگر معاذ اللہ درمیان میں گرفتاری آگئی بلکہ دوسری نظر تک نوبت پہنچ گئی تو ایسا مجاز وصول حقیقت کی راہ میں پلا ہے پل کیا ہوتا ہے وہ تو ایک بت ہے جو اپنی پرستش کی طرف بلاتا ہے اور ایک شیطان ہے جو حقیقت سے ہٹاتا ہے اسی لئے مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری نگاہ کو مضر جانتے ہوئے

اَلنَّظْرَةُ الثَّانِيْ عَلَيْكَ (دوسری نگاہ تیرے لئے وبال ہے)

فرمایا ہے اور اس سے زیادہ مضر اور کون چیز ہو گی جو حق سے روکے اور باطل میں گرفتار کرے۔

اور جاننا چاہیئے کہ پہلی نگاہ بھی اس وقت نافع ہے جبکہ اپنے اختیار سے نہ ہو اور اگر اختیار سے ہو تو دوسری نگاہ کا حکم رکھتی ہے۔

آیت کریمہ:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ آپ ایمانداروں سے کہیں اپنی نظریں نیچی رکھا کریں۔

اس مطلب کے اثبات کے لئے کافی ہے۔ بیوقوف ناپختہ صوفیوں نے اس عبارت کا معنی نہ سمجھا اور غلط کہا اور خوبصورت شکلوں سے گرفتاری پیدا کرتے ہیں اور ان کے ناز وادا پر فریفتہ ہوتے ہیں اس امید پر کہ اس کو وصول حقیقت کا وسیلہ بنائیں گے اور حصول مطلوب کا زینہ سمجھتے ہیں۔

خبردار! یہ راہ مطلوب کے لئے خود رکاوٹ ہے اور مطلوب کے سامنے قوی پردہ ہے، وہ ایک باطل ہے جو ان کی نظر میں مزین ہوا ہے اور حقیقت کے دھوکے میں پڑے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان صورتوں کے حسن و جمال کو اللہ تعالیٰ کا حسن سمجھ رکھا ہے۔ اور ان کی گرفتاری کو اللہ تعالیٰ کی گرفتاری سمجھتے ہیں اور ان کے مشاہدہ کو خدا تعالیٰ کا مشاہدہ جانتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[1]
درحیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

"اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بہت بلند ہیں" ان بیوقوفوں نے خدا تعالیٰ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ اور اس کے حسن و جمال کو کیا تصور کر رکھا ہے شاید ان لوگوں نے نہیں سنا کہ اگر بالفرض بہشت کی کسی حور کا ایک بال بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے دنیا میں گرے تو اس بال کی روشنی اور چمک سے دنیا میں رات نہ پڑے اور اندھیرا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ہی تجلی سے کوہ طور کے جلنے اور اس کے ریزہ ریزہ ہونے اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیہوش ہو کر گرنے کا قصہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور یہ لوگ باوجود اس بے عقلی کے ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنے والے ہیں اور اخروی رویت کے وعدہ پر تعجب کرنے والے ہیں۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔

علماء اہل سنت و جماعت شَكَرَ اللهُ سَعْيَهُمْ نے اپنی جانیں مار ڈالی ہیں اور نقل و دلائل سے مخالفین پر اخروی رویت ثابت کی ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے علاوہ مخالف فرقوں میں سے کوئی بھی خواہ وہ اہل ملت سے ہو یا غیر ملت سے اللہ تعالیٰ کی رویت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس کو محال عقلی سمجھتے ہیں اور اہل سنت نے بھی اس کو بلا کیف کہا ہے اور اس کو آخرت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور یہ بوالہوس اس فانی دنیا میں اس دولت قاہرہ کے حصول کا تصور کئے بیٹھے ہیں۔ اور اپنے خواب و خیال

[1] آج جب کہ تیرا حسن بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ۱۲

میں خوش ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر

والسلام علی من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمھا واکملھا۔

مکتوب نمبر ۶۷

میر منصور کی طرف صادر فرمایا

(کائنات کی حقیقت اور حضرت مجدد قدس سرہ کے کشف اور صاحب فتوحات مکیہ کے کشف کے درمیان فرق کے بیان میں)

یہ میدان کائنات جو دیکھا جاتا ہے اور مشہود اور کشادہ اور مسطح اور طویل و عریض متخیل ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور اس کے تابعین کے نزدیک یہ سب کچھ حضرت وجود ہے کہ اس کے سوا خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اس کو ظاہر وجود کہتے ہیں جو کہ انعکاس کے ذریعہ اور صُوَرِ علمیہ متکثرہ کے لباس میں آنے کی وجہ سے کہ جس کو باطن وجود کہتے ہیں اور اس کو اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں وہ وجود جو کہ اپنی وحدت و بساطت پر ہے وہ خیال میں متکثر و منبسط و طویل و عریض نظر آتا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مشاہد و محسوس سب کچھ کیا عوام اور کیا خواص اس صفحہ میں کوئی لباس میں اور الگ الگ اشکال و صُوَر میں خداوند تعالیٰ ہیں جو کہ عوام کو عالم متوہم ہوتا ہے۔ اور کبھی بھی علم کے خانہ سے باہر نہیں آیا ہے اور اس نے خارجی وجود کی بو نہیں پائی ہے۔ یہ ان صُوَرِ علمیہ کے عکوس ہیں جو کہ حضرت وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اور خارج میں نمود پیدا کی ہے اور عوام کو اپنے وجود خارجی کے وہم میں ڈال رہا ہے۔ مولوی جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

مرباعی :

ہمہ و شکون را القانون سبق

کردیم تصفح ورقاً بعد ورق
حقا کہ ندیدم و نخواندیم درو
جز ذاتِ حق و شیونِ ذاتیہ حق[1]

اور اس فقیر کا عقیدہ اور کشف یہ ہے کہ یہ میدان وہم کا میدان ہے اور یہ صُوَر و اشکال جو اس میدان میں ہیں ممکنات کے اشکال و صُوَر ہیں جنہوں نے خداوند تعالیٰ کی صنعت سے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کیا ہے اور استحکام پایا ہے اور جو کچھ بھی اس صفحہ میں مشہود و محسوس ہے وہ ممکنات کی جنس سے ہے اگرچہ بعض سالکین کو وہ مشہود واجب متوہم ہوتا ہے اور عنوانِ حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اصل میں عالم کے افراد سے ہے اور اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے اور ہماری دید و دانش سے الگ ہے اور ہمارے کشف و شہود سے مبرّا و منزہ ہے۔

خلق را وجہ کے نماید او[2]
در کدام آئینہ در آید او

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ متوہم عرصہ اس میدانِ خارجیہ کا ظل ہے جو کہ حضرت وجوب کے مرتبہ کے لائق ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ کا وجود اس مرتبہ کا ظل ہے اور اس وہم کے مرتبہ کو اگر اس اعتبار سے کہ مرتبہ خارج کا ظل ہے خارج کہہ لیں تو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ ظلی وجود کے اعتبار سے اس کو موجود بھی کہتے ہیں۔ اور یہ وہم کا عرصہ عرصۂ خارجی کی طرح نفس الامری ہے۔ اور یہ احکام صادقہ رکھتا ہے۔ اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق خبر دی ہے۔

ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ ان دونوں کشوف میں سے کونسا کشف خداوند تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے زیادہ قریب اور زیادہ لائق ہے اور خداوند تعالیٰ کی جناب قدس کے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے اور ان دونوں میں سے کونسا بدایت (ابتدا) اور توسط حال سے مناسبت رکھتا ہے اور کونسا انتہائی حال کے مناسب ہے۔

---

[1] کائنات کے ہر صفحہ کو بلحاظ قانون کے مطابق پہلے ورق ورق تلاش کیا تو حق بات یہ ہے کہ سوائے ذات حق اور شیون ذاتیہ حق کے اور کوئی چیز نہ پڑھی اور نہ دیکھی۔ (حاشیہ صفحہ نمبر ۱)

[2] وہ مخلوق کو اپنا چہرہ کس طرح دکھا سکتا ہے اور وہ کونسے آئینہ میں سما سکتا ہے۔

کئی سال تک یہ فقیر پہلے کشف کا معتقد رہا ہے اور عجیب احوال اور مشاہدات غریبہ اس مقام میں گزارے اور اس مقام سے بڑا حصہ حاصل کیا آخر الامر محض خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے معلوم ہوا کہ جو کچھ دیکھا یا جاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کہ اس کی نفی لازم ہے بہر حال خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے نفی کرنے کے بعد معاملہ انتفاء (نیست ہونے) تک پہنچ گیا۔ اور وہ باطل جس نے اپنے آپ کو حق ظاہر کیا تھا دید و دانش سے گر گیا۔ اور غیب الغیب سے گرفتاری حاصل ہوئی اور موہوم موجود سے جدا ہوا اور قدم حادث سے الگ ہو گیا جو کہ کشف ثانی کا حاصل ہے۔

رباعی للمؤلف

در عرصۂ[ا] کائنات ہا دقت فہم
بسیار گذشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم ندید یم درو
جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

تمام تعریفیں اس اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہنمائی کی۔ اور اگر اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی رہنمائی نہ کرتے تو ہمیں یہ ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۶۸

فقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(مرتبہ وہم کی تحقیق میں کہ عالم نے اس مرتبہ میں اپنے وجود کی نمود کی ہے۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں)

عالم کو جو ہم موہوم کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عالم وہم کی اختراع اور تراش ہے۔ وہ وہم کی اختراع کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہم خود بھی عالم میں سے ہے۔

ا عرصہ کائنات میں نہایت باریک... بینی سے ہم نے تیر کی طرح تیزی سے گزر کیا ہم ہمہ تن چشم بنے اور اس میں سوائے ظل صفات کے وہم میں کوئی چیز ثابت نظر نہ آئی۔ ۱۲۰

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مرتبہ وہم میں پیدا کیا ہے۔ اور اگرچہ اس وقت وہم وجود میں بھی نہیں آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھا اور مرتبۂ وہم بے حقیقت نمود (ظہور) سے عبارت ہے۔ اس دائرہ کی طرح جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے وہم میں پیدا ہوا ہے کہ اس میں ظہور تو ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے۔
حکیم مطلق جل سلطانہٗ نے عالم کو اس مرتبہ میں خلق فرمایا اور اس کے محض دکھلاوے کو ثبوت اور ثبات بخشا اور غلط سے صحت میں لایا اور عبث سے صحیح بنا دیا اور امر واقعی کر دیا۔
اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔
مرتبہ موہوم عجیب مرتبہ ہے کہ اس کو موجود کے ساتھ نہ کوئی مزاحمت ہے نہ مقابلہ اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس سے ثابت نہیں کرتا اور اس کی کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں کرتا۔ دائرہ موہومہ کو گردش کرنے والے نقطہ سے کوئی جنگ نہیں ہے اور جہات میں سے کوئی جہت بھی اس کے ساتھ ثابت نہیں رکھتا اور نہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے پیدا ہونے سے کوئی نہایت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نقطہ دائرہ کی دائیں جانب ہے یا بائیں جانب آگے ہے یا پیچھے اوپر ہے یا نیچے۔ اس دائرہ کے لئے ان جہات کا ثبوت ان اشیاء کی نسبت سے ہے جو اس کے مرتبہ میں ثابت ہیں اور جو چیزیں کسی دوسرے مرتبہ میں ثابت ہیں دائرہ کو ان جہات میں سے ان کے ساتھ کوئی جہت ثابت نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ اس نقطہ کو اس دائرہ کے حدوث سے کوئی حد اور نہایت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ وہ اپنی پہلی خالص حالت پر ہے
وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)
اس بیان میں اور اس مثال سے عالم کا صانع عالم کے ساتھ حال معلوم کر کہ اللہ تعالیٰ کو اس عالم کی ایجاد سے کوئی حد اور کوئی نہایت حاصل نہیں ہوئی ہے اور نہ جہات میں سے کوئی جہت ثابت ہوئی ہے۔ یہ نسبت اس جگہ کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کہ اس بلند مرتبہ میں ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے تاکہ نسبت کا تصور کیا جا سکے۔
کچھ بے نصیب لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری سے ان نسبتوں کا حصول اور ان جہات کا ثبوت خدا تعالیٰ کے حق میں عالم کی نسبت سے تصور کیا اور اللہ تعالیٰ کی رویت کی نفی کر دی اور اس کو محال سمجھا اور اپنے جہل مرکب اور تصدیق کاذب کو کتاب و سنت پر مقدم رکھا

اور گمان کیا کہ اگر خداوند تعالیٰ مرئی (دیکھا گیا) ہو تو یقیناً دیکھنے والے سے جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور وہ حد و نہایت کو مستلزم ہے۔

سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے۔ رویت کو ثابت کریں یا نہ رویت ہو گی اور جہت نہ ہو گی جیسا کہ اس معنی کی تحقیق آئندہ آئے گی۔ شاید ان لوگوں کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ یہ استحالہ تو وجود عالم کے وقت بھی ثابت ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ عالم کی نسبت جہات میں سے کسی جہت میں ہو گا اور یہ بھی کہ عالم سے بلند ہو گا اور یہ بھی حد و نہایت کو مستلزم ہے اور اگر عالم کی تمام جہات میں کہیں تو اس حد و نہایت کو کیا کہیں گے۔ جو کہ ورائیت کو لازم ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ جہت کا فساد استلزام نہایت کے ذریعہ ہے اور وہ خود لازم ہے۔

اس تنگی سے خلاصی صوفیاء کے قول کو اختیار کرنے میں ہے جو عالم کو موہوم کہتے ہیں اور جہت و نہایت کے اشکال سے آزاد ہو جاتے ہیں اور موہوم کہنے میں کوئی استحالہ بھی لازم نہیں آتا۔ کہ وہ موجود کی طرح احکام صادقہ رکھتا ہے اور ابدی معاملہ اور ہمیشہ کی نعمتیں اور عذاب اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ وہ موہوم اور ہے جس کا بیوقوف سوفسطائی قائل ہے۔ کہ وہ وہم کی اختراع اور خیال کی تراشش ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اصل ہم اصل بات پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دائرہ موہومہ کے لئے جو کہ گردش کرنے والے نقطہ سے پیدا ہوا ہے اس نقطہ سے کوئی جہت بھی ثابت نہیں ہے اور وہ نقطہ اس کی جہات سے باہر ہے کہ اگر بالفرض وہ دائرہ تمام کا تمام بصر (آنکھ) ہو جائے تو یقیناً اس نقطہ کو بے جہت دیکھے گا کیونکہ جہت ان کے درمیان مفقود ہے اور ہم جو بحث کر رہے ہیں اگر دیکھنے والا تمام بصر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کو بے جہت دیکھے تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ مومن بہشت میں تمام آنکھ بن جائیں گے اور کوئی جہت ثابت نہ ہو گی اولیاء اللہ کو بحکم

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا)

دنیا میں ہی یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ تمام کے تمام بصر ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ رویت نہ ہو کہ وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ لیکن حکم رویت رکھتی ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ بحکم

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ

یہ اس لئے ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالے کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب کی سب بصر (آنکھ) ہے۔ سب کی سب سمع (کان) ہے اور سب کی سب علم ہے۔

اور اللہ تعالے کے اخلاق سے متخلقین کو ان اخلاق سے یقیناً حصہ ہے۔ ان کی ہر صفت بھی اس مقام سے پوری طرح ان سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً وہ سب کے سب بصر ہو جاتے ہیں اور دوسرے مومنوں کو آخرت بہ نسبت عطا فرما کر رویت کی دولت سے مشرف کریں گے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰے

اور اس صورت میں کوئی استحالہ اور کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور اللہ سبحانہٗ وتعالے ہی حقیقت حال کو بہتر جانے۔

مکتوب نمبر ۶۹

قاضی موسیٰ شیخین کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت اور شریعت کے التزام کی ترغیب کے بیان میں)

حمد وصلوٰۃ اور دعاگوئی کے بعد عرض ہے کہ اس علاقہ کے فقراء کے احوال قابل تعریف ہیں۔ آپ کا گرامی نامہ جو درویش رحم علی کے ہاتھ بھیجا تھا۔ پہنچا۔ خوشی ہوئی۔ اللہ آپ سب کو سلامتی اور استقامت بخشے۔ آپ نے نصیحتوں کی طلب کے متعلق لکھا تھا۔

میرے مخدوم! نصیحت تو دین اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متابعت کی کئی قسمیں ہیں۔ اس کی ایک قسم احکام شرعیہ کی تعمیل ہے۔ اور باقی اقسام کو فقیر نے ایک مکتوب میں جو کہ بعض محبوں کی طرف لکھا ہے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں ان شاء اللہ کہوں گا کہ اس کی نقل آپ کو بھیجیں۔

مختصر یہ کہ اس طریقہ میں افادہ واستفادہ کا دارومدار صحبت پر ہے۔ کہنا اور لکھنا کافی نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ صحبت ہے۔

اور اصحاب کرام صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ ہی سے اولیا وامت سے افضل ہیں کہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اگرچہ وہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور بھائیوں سے سلامتی ایمان کی دعا کی درخواست ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے معاملہ میں بھلائی پیدا کر۔ رحم علی نے اپنا ورق خود الٹ لیا ہے اور اصلاح کی طرف آگیا ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو استقامت عطا فرمائے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷۰

مولانا اسحاق ولد قاضی موسیٰ کی طرف صادر فرمایا

(ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب میں)

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وہ مکتوب شریف جو آپ نے رحم علی درویش کے ہاتھ بھیجا تھا پہنچا۔ چونکہ اس سے ذوق وشوق کی اطلاع ملتی تھی۔ اس لئے خوشی پیدا ہوئی۔ اور ایک علیحدہ کاغذ میں جو واقعہ دیکھا تھا اس کی روداد لکھی تھی۔ اس کے مطالعہ سے خوشی پر خوشی ہوئی۔ اس قسم کے واقعات خوشخبری دینے والے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہ امکان سے وجود میں آجائیں اور کان سے آغوش تک پہنچیں۔

آج جو تقصیر وکوتاہی کا تدارک ممکن ہے اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور تاخیر اور دیر نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ درویش اکٹھے بیٹھے تھے کہ جمعہ کے روز کی اس ساعت کا تذکرہ شروع ہوا جس میں دعا قبول ہوتی ہے اور یہ بات درمیان میں آگئی کہ اگر وہ میسر ہوجائے تو اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیئے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا جب میری باری آئی تو میں نے کہا ارباب جمعیت کی صحبت طلب کرنا چاہیئے کہ اس کے ضمن میں تمام سعادتیں میسر ہیں۔

بعض مکاتیب کو نقل کرکے حامل رقعہ کے ہاتھ بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے نفع دے دوسری بات یہ ہے کہ میرے بھائی شیخ کریم الدین کچھ مدت سے آئے ہوئے

ہیں۔ شاید اپنے حالات تم کو لکھیں۔ دوستوں سے دعا کی توقع ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔
والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفٰی علیہ وآلہ الصلوات والتسلیمات۔

مکتوب نمبر ۱۱

جناب پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ کی طرف صدور فرمایا

اس فرق کے بیان میں جو کہ حقائق موہوم کہ عالم ہے۔ اور موجود حقیقی جو کہ صانع عالم ہے کے درمیان ہے

وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے بلند مثال ہے)

وہ گردش کرنے والا نقطہ کہ دائرہ اس سے وہم میں پیدا ہوا ہے۔ وہ جس طرح خارج میں ہے وہم میں بھی ہے لیکن اس جگہ دائرہ کی بے پردہ نمود ہے۔ اور اس جگہ اس پردہ کے ساتھ اور خارج میں موجود اور وہم میں موجود اس معنی سے نہیں ہے۔ کہ وہ ہر مرتبہ میں علیحدہ وجود رکھتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایک موجود ہے وہی خارج میں ہے اور وہی وہم میں کہ اس جگہ بے پردہ دائرہ ہے۔ اور اس جگہ باپردہ اور یہ دائرہ موہومہ جو وہم میں نمود رکھتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ وہ حس کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اس کو اس مرتبہ میں موجود بنادیں۔ اور ثبات و تقرر دے دیں۔ اور اس کی حقیقت بنادیں گے تو یقیناً وہ حس کی غلطی سے باہر آجائے گا۔ اور امر واقعی ہو جائے گا۔ اور احکام صادقہ پیدا کرے گا۔

پس اس دائرہ کی وہم میں حقیقت ہے اور صورت ہے۔ اور اس کی حقیقت وہی گردش کرنے والا نقطہ ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صورت وہی دائرہ ہے جس نے ثبوت اور ثبات پیدا کر لیا ہے۔ یہ صورت اگرچہ اس صورت کا عین نہیں ہے کیونکہ اس کے صفات اور احکام الگ ہیں۔ لیکن یہ سے دور نہیں ہے اور جدائی نہیں رکھتا۔ وہ ایک حقیقت ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اس نمود سے متخیل کیا ہے۔ ع

شعر:۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ؎
گفتہ آید در حدیث دیگراں

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ اس مقام میں کہتے ہیں "اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ خدا ہے اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ مخلوق ہے۔ اور اگر تو چاہے تو کہہ لے کہ وہ ایک حیثیت سے حق ہے اور ایک حیثیت سے خلق ہے اور اگر تو چاہے تو حیرت کے متعلق کہہ دے کیونکہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے"۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ یہ تمیز صورت و حقیقت کے درمیان اگرچہ وہم میں ہے لیکن جب اس مرتبہ میں خداوند تعالیٰ کی صنعت سے صورت موجود ہوئی ہے اور اس نے ثبات اور تقرر پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ امر واقع ہو گئی ہے اور اسے نفس الامری تمیز حاصل ہوا ہے۔ بلکہ بطور ظلی موجود خارجی ہو چکا ہے۔

کیونکہ صورت کا وجود جس طرح حقیقت کے وجود کا ظل ہے تو ظل کے بود کے حصول کے بعد خارج میں آیا پس حقیقت اور صورت کے درمیان تمیز چونکہ نفس الامری ہے بلکہ خارجی ہو چکا ہے تو ایک کو دوسرے پر محمول کرنا محال ہوا اور ایک دوسرے کا عین نہ ہوا اور جس نے عین کہا ہے اس نے تمیز وہمی پر زیادہ نہ سمجھا اور امتیاز علمی کے سوا کچھ نہ جانا۔

سبحان اللہ مرتبۂ وہم ایجاد خداوندی جل شانہٗ کے ذریعہ اس مرتبہ میں واقع ہوا ہے خارج ہوا ہے اور حقیقت واقعی بنا اور علم و خارج سے وراء جو کہ متعارف ہے ہوا اور چونکہ یہ مرتبہ خارج میں آیا ہے تو لازماً اس میں مرتبۂ وہم کو جدا کیا ہے۔ اور گردش کرنے والا نقطہ موجود خارجی ہوا اور وہ دائرہ جو اس سے پیدا ہوا ہے اس نے موہوم نام پایا۔

عجب معاملہ ہے کہ صورت جو کہ حقیقت سے پیدا ہوئی ہے اور جو کچھ بھی وہ رکھتی ہے۔ وہ حقیقت سے رکھتی ہے۔ اور اس کو حقیقت سے کوئی جدائی نہیں ہے۔ اس کو طاقت سے حقیقت سے علیحدہ کیا ہے اور وہم سے حقیقت میں لائے ہیں۔ اور متمیز وہمی کو خارجی قرار دیا ہے۔

آیت کریمہ:۔

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ اللہ کی صنعت وہ ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط کر دیا

ؔ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے کہ دوستوں کا راز دوسروں کی بات میں ڈال کر بیان کر دیا جائے۔ ۱۲

كُلَّ شَيْءٍ۔

کو اس جگہ ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ لاشئے محض کو اپنی قدرت کاملہ سے شئے بنا دیا ہے اور دانا وبینا اور قادر ومرید بنایا ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں۔

چونکہ او شد گوش وچشم ودست وپا

خیرام در چشم بندی خدا[1]

چشم بندی کیا گنجائش رکھتی ہے اس لیئے کہ چشم بندی اس جگہ ثابت ہے کہ غیر واقع کو واقع کر دکھائے اور اس جگہ خدا تعالیٰ کی قدرت نے غیر واقع کو واقع بنا دیا ہے اور احکام کاذبہ کو جو اس مرتبہ میں تھے صادق کر دکھایا۔

شیخ فرماتا ہے کہ ان دونوں میں تمیز نہیں ہے۔ حالانکہ بندے اور رب کے درمیان پنجاہ ہزار سالہ راہ ہے۔

کہ آیت کریمہ:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ — روح اور فرشتے اس کی طرف ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے اور شیخ کو خود بھی اس دوریٔ راہ کا اقرار ہے یہی وجہ ہے۔ کہ وہ حیرت کا قائل ہوا ہے۔ کوئی بیوقوف آدمی اس راہ کی دوری سے خدا تعالیٰ کو دور نہ سمجھے اور اپنے آپ کو دور نہ جانے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قریب ہے بلکہ بندے کی طرف بندے کے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بلکہ یہ دوری درک اور معرفت کے اعتبار سے ہے۔ نہ باعتبار مکان ومسافت کے۔ دائرہ کے آخر کا نقطہ دائرہ کے مبداء سے نزدیک ترین نقطہ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی پشت مبداء کی طرف ہے اور اس کا منہ دوسری طرف پھیر دیا ہے تو لازماً اس کی یافت باوجود مبداء سے قرب ہونے کے دور جا پڑی ہے اور تمام نقاط طے کرنے کے بعد وابستہ ہوئی ہے۔

---

[1] جب کہ وہ کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں ہو گیا میں خدا تعالیٰ کی چشم بندی سے حیران ہوں۔

(۱) اے کمان و تیرہا بر ساختہ[1]

صید نزدیک و تو دور انداختہ

(۲) ہر کہ دور انداز تر او دور تر[2]

از چنیں صید است او مہجور تر

ہاں جب تک بُعد کی شدت نہ کھینچے گا قرب کی دولت کا قدر نہ جانے گا. جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ بہتر ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب نمبر ۲۷

خواجہ حسام الدین احمد کی طرف صادر فرمایا

اس بیان میں کہ لشکر کی مختلف مصروفیات بھی ارباب جمعیت کے لئے قبول ہے اور اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولود خوانی کے متعلق کیا تھا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

گرامی نامہ اور بہت بڑی مہربانی جو از روئے کرم و شفقت اس فقیر کے نام کی گئی تھی اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔

اللہ سبحانہ کی تعریف اور احسان ہے کہ آپ صحت و عافیت سے ہیں اور دور افتادہ لوگوں کا حال معلوم کرنے سے غافل نہیں ہیں اور تفرقہ کی جگہ میں جمعیت حاصل ہے لڑکے اور دوست جو ہمراہ ہیں ان کے اوقات بھی جمعیت سے ہیں اور ان کے احوال ترقی و زیادتی میں ہیں. لشکر ان کے حق میں عین خانقاہ ہے کہ لشکریوں کی عین رنگارنگی میں ان کو تمکین نصیب ہے۔ اور مختلف گرفتاریوں کے باوجود جو کہ اس مقام کے لوازم سے ہے کہ وہ سب ایک ہی مطلب کے گرفتار ہیں۔ نہ کسی کو ان سے کوئی کام اور نہ ان کو کسی کا بوجھ اس کے باوجود مجبور اور بے اختیار ہیں اور حبس و قید میں گرفتار ہیں۔

---

[1] اے وہ کہ جس نے تیر و کمان بنائے ہیں تیرا شکار نزدیک ہے اور تو تیر دور پھینک رہا ہے۔

[2] جو آدمی زیادہ دور پھینکنے والا ہے وہ زیادہ دور ہے اور ایسے شکار سے وہ زیادہ مہجور ہے۔

یہ عجیب قسم کی قید ہے کہ اس کے عوض رہائی ایک جو میں نہیں خریدتے اور عجیب قسم کی گرفتاری ہے کہ آزادی کو اس جگہ ایک دمڑی میں نہیں خریدتے اور اس نعمت اور دوسری تمام بڑی بڑی نعمتوں پر اللہ سبحانہٗ کی تعریف اور احسان ہے۔

میرے مخدوم! قرۃ العینین کو خط بھیجنے کا مقصد بعض نعمتوں کے فوت ہو جانے پر کہ اس مقام کے نزدیک ان کے حصول کی توقع تھی۔ اظہار افسوس تھا۔ اور لشکر میں آنا اور صحبت بھی رکھنا ان کی مرضی پر موقوف ہے کہ وہ لشکر اور لشکریوں کے طور طریقوں کو بہتر جانتے ہیں۔ اور اس مقام کے نفع و نقصان کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا اگر آپ فرمائیں کہ وہ آفات سے محفوظ رہیں گے تو آجائیں۔ غیب تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے کہ ہمراہیوں میں سے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے باوجود ارباب تفرقہ کے ساتھ کثرت سے میل جول رکھنے کے اس وقت تک کسی کو بھی تفرقہ کی آفت نہیں پہنچی ہے اور وہ مطلب سے نہیں رُکا۔

اور پھر آپ نے مولود خوانی کے متعلق لکھا تھا۔ اچھے آواز سے صرف قرآن مجید اور نعت و منقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ منع تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل و تحریف کیا جائے۔ اور مقامات نغمہ کا التزام کرنا اور الحان کے طریق سے آواز کو پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں بجانا جو کہ شعر میں بھی جائز نہیں ہے۔

اگر ایسے طریقہ سے مولود پڑھیں کہ قرآنی کلمات میں تحریف واقع نہ ہو۔ اور قصائد پڑھنے میں شرائط مذکورہ متحقق نہ ہوں اور اس کو بھی صحیح غرض سے تجویز کریں تو پھر کونسی رکاوٹ ہے۔ میرے مخدوم! فقیر کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جب تک اس دروازہ کو پوری طرح بند نہ کریں گے بوالہوس باز نہ آئیں گے۔ اگر تھوڑا سا جائز کرو گے تو وہ زیادہ ہو جائے گا۔ مشہور مقولہ ہے کہ تھوڑی چیز سے زیادہ بن جاتی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر ۲۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا

صفت حیات کے اسرار کے بیان میں جو کہ علم سے اوپر ہے اور اس بیان میں کہ جس طرح علم صفات زائدہ سے ہے اسی طرح وہ شیون غیر زائدہ سے بھی ہے اور تمام صفات کی یہی کیفیت ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی اور ان کے متبعین کہ جنہوں نے تنزلات خمس لکھے ہیں۔ انہوں نے تعین اول علم کی بارگاہ کے اجمال سے اعتبار کیا ہے اور اس کو حقیقت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کہا ہے اور اس کے کشف کو تجلی ذات جانا ہے۔ اور اس تعین سے اوپر لاتعین جانتے ہیں جو کہ خالص ذات اور تمام نسبتوں اور اعتبارات سے خالی احدیت کا مرتبہ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ شان العلم سے اوپر شان الحیوٰۃ ہے کہ علم اس کا تابع ہے اور وہ تمام صفات کی ماں ہے کیا علم اور کیا غیر علم اور کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور یہ حیوٰۃ کی شان بڑی ہی عظیم الشان شان ہے۔ دوسری تمام صفات اور شیون اس کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کہ دریائے محیط کے مقابل چھوٹی چھوٹی لہریں۔ عجیب بات یہ ہے کہ شیخ بزرگوار نے اس وسیع مملکت میں سیر نہیں کی ہے اور اس باغ سے علوم و معارف کے پھول نہیں چنے ہیں اور اگرچہ یہ شان حضرت ذات عزّ شانہٗ سے بہت زیادہ قریب ہے اور جہالت اور عدم ادراک سے بہت زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چونکہ وہ تنزل اور ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے اور علم و معرفت کے مظنہ سے ہے۔ خواہ تھوڑا ہو زیادہ۔

جن دنوں میں یہ فقیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس عظیم الشان حالت میں سیر کر رہا تھا۔ تو اس مقام کے نیچے دُور بہت دُور ایسا مشہود ہوتا تھا کہ شیخ نے اس جگہ ایک کٹیا بنا رکھی ہے۔ اور اس میں اقامت اختیار کر رکھی ہے۔ شاید آخر میں شیخ نے اس مقام سے حصہ حاصل کیا ہو۔

اس طرح کے بُعد مسافت بے چون کا بُعد دو اعتبار سے ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ میدان عبارت کی تنگی ہے۔ یا اس کی صورت مثالی ہے۔ عالم مثال میں بُعد بے چونی بُعد

مسافت سے مشہود ہے۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ ہمیں صرف وہی علم ہے جو تونے ہمیں بتایا یقیناً تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

فصل بالخیر:۔

اس بیان سے لازم آیا کہ علم حیوٰۃ کے مرتبہ میں جو اس سے اوپر ہے ثابت نہیں ہوتا کیا علم حصولی اور کیا علم حضوری اور جب مرتبہ حیوٰۃ میں علم ثابت نہ ہو گا تو مرتبہ ذات عز شانہٗ میں کس طرح ثابت ہو گا۔ جو کہ اوپر سے بھی اوپر ہے اور جب علم ثابت نہ ہو گا تو اس کا نقیض ثابت ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

اس اشکال سے رہائی ایک باریک نکتہ کی معرفت پر مبنی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے کم ہی اس کے متعلق گفتگو کی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ جل شانہٗ کا علم مثلاً جیسا کہ صفات ثمانیہ حقیقیہ زائدہ سے ہے۔ جس طرح کہ اہل حق نے فرمایا ہے اسی طرح شیون اور اعتبارات ذاتیہ غیر زائدہ سے بھی ہے اور جب پہلی قسم اللہ تعالیٰ کی ذات سے زائد صفات سے ہے تو جن سے ان کا تعلق ہے وہ بھی ذات کے سوا ہوں گے۔ اور وہ ماسویٰ خواہ عالم ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات زائدہ کیونکہ جو کچھ بھی ظلیت کے داغ سے داغدار ہو چکا ہے۔ اور زیادتی کا نام اس پر آچکا ہے وہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کا خدا تعالیٰ کی ذات سے کوئی تعلق ہے۔ وہ علم خواہ حصولی ہو یا حضوری۔ اگر حضوری بھی ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے کسی ظل سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ اس نے علم اور عالم اور معلوم میں اتحاد پیدا کیا ہے کیونکہ یہ اتحاد کا مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کے ظلال میں سے ایک ظل ہے۔ نہ کہ اس کا عین۔ اگرچہ ایک جماعت نے اس کی عینیت کا گمان کیا ہے۔

اور دوسری قسم جو شیون ذاتیہ غیر زائدہ سے ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے اور بس اور اللہ تعالیٰ و تقدس اس سے بہت بلند تر ہے کہ وہ اپنی ذات پاک کے سوا تعلق پیدا کرے۔ مختصر یہ کہ وہ علم جو زائد ہے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا سے ہے اور وہ علم جو زائد نہیں ہے اور صرف ایک اعتبار ہے اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے ہے اور وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے منتفی (معدوم) ہے وہی

علم زائد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مرتبہ مقدسہ کے لائق نہیں ہے کہ وہ اس علم غیر زائدہ کی شان کا ظل ہے۔ اس علم کے اُٹھ جانے سے اس کے نقیض کا ثبوت کہ جہل ہے لازم نہیں آتا اگرچہ علم صفات کاملہ سے ہے لیکن اس جگہ گنجائش نہیں رکھتا۔ تو اس کا نقیض جو سراسر نقص ہے اس کو کیا طاقت ہے کہ اس بارگاہ میں دخل پا سکے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ دونوں نقیض اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں اور کوئی استحالہ بھی لازم نہ آئے۔ ایک عارف کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو اضداد کے جمع کرنے سے پہچانا گویا اس مقام کی بلندی مرتبہ کے ذریعے ان دونوں نقیض میں سے کوئی بھی اس جگہ نہیں پہنچ سکتا جب تمام نسبتیں اور اعتبارات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مسلوب ہوں گی تو علم اور عدم علم کہ وہ بھی منجملہ نسبتوں میں سے ہیں مسلوب ہوں گے۔ وہ ممکن ہی ہوتا ہے جسے نسبتوں اور اعتبارات سے چارہ نہیں ہوتا اور اس میں نقیض جمع و رفع نہیں ہوتا نسبتوں اور اعتبارات کا پیدا کرنے والا ان تمام نسبتوں اور اعتبارات سے منزہ ہے اور غائب کا حاضر پر قیاس اس جگہ ممتنع ہے۔

یا پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ علم خاص کا انتفاء عدم علم مطلق کو مستلزم نہیں ہے بلکہ وہ خاص علم کے عدم کو مستلزم ہے جو کہ ظلیت کا شائبہ رکھتا ہے اور اس صورت میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا اور ارتفاع نقیضین نہیں ہوتا۔ اس کو اچھی طرح سمجھ۔

جاننا چاہیئے کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے شیون سے ہے اس کی اس علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے جو صفات زائدہ سے ہے اگر اس علم زائد کا اصل وہی علم غیر زائد ہے کیونکہ صفت زائدہ ظل شان ذات ہے۔ اس جگہ تو انکشاف ہی انکشاف ہے اور عین حضور میں حصول ہے اس علم کے درجہ کی بلندی کی وجہ سے جہل کو طاقت نہیں ہے کہ اس کے مقابل آئے اور اس کے نقیض بننے کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ برخلاف صفت علم کے کہ جہل اس کی نقاضت پر قائم ہے۔ اگرچہ اس کا وقوع جائز نہیں ہے اور بالکل خطا ہے۔ اور اس میں نقیض کا احتمال ہی اس کے انحطاط کا باعث ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلق سے اس کو روک دیا ہے۔ کیونکہ کمال کے نقیض کا احتمال خواہ وہ کوئی بھی کمال ہو اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔ وہ قدرت جو اللہ تعالیٰ کے مرتبۂ مقدسہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ وہی قدرت ہے جس کی دوسری طرف عجز نہیں ہے۔ برخلاف صفت قدرت کے کہ

اس میں نقیض کا احتمال ہے اگرچہ واقع نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و شیون کو اسی پر قیاس کر لیں۔

اور جب شان علم کو صفت علم سے کوئی مناسبت نہیں ہے تو علم مخلوقات کو اس جل شانہٗ عظیم الشان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے اور کونسی نسبت ہو گی اور اس کا تعلق اس مرتبہ مقدس سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے مگر یہ کہ وہ بندہ نوازی فرمائے اور مخلوق کے ناقص انکشاف کو اپنے انکشاف کے نزدیک سے روشن کرے اور فنائے اتم کے بعد اس کو بقائے اکمل اپنی طرف سے بخشے۔ اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس مرتبہ مقدسہ سے بے کیف تعلق پیدا کرے اور اس جگہ تک پہنچ جائے کہ اس کا اصل بھی وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اصل کے زینہ سے اصل الاصل سے واصل ہو جائے۔

یہ وہ خصوصیت ہے جو بنی آدم کو عطا ہوئی ہے اور ان پر ترقی کی راہ کھولی ہے یہ اپنے اصل سے بھی گزر جاتے ہیں اور اصل الاصل سے بھی اور اس جگہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اصل ظل کی طرح راہ ہی میں رہ جاتا ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مکتوب نمبر ۷

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا

اصاحب فصوص کے کلام کی شرح اور تجلی ذات کے بیان میں اور اس باب میں حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کی خاص رائے اور اتفاق ایسا ہوا کہ یہ مکتوب شریف مکمل نہ ہو سکا۔)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے "اور تجلی ذات اس آدمی کی صورت میں ہوتی ہے جس پر وہ تجلی ہوئی ہے پس شخص متجلی لہٗ (جس پر تجلی ہوئی ہے۔) نے اللہ تعالیٰ کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا اور اس نے خدا تعالےٰ کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے۔"

اور اللہ کے آئینہ سے مراد وہی شان ذاتی ہے کہ اس کا ظل وہ اسم ذاتی ہے جو کہ متجلی لہٗ

کا مبدأ تعین ہے۔ اس لئے کہ ہر اسم زائد کے لئے جو کہ مخلوقات کے تعینات میں سے کسی تعین کا مبدأ ہے۔ مرتبۂ ذاتیہ میں اصل ثابت ہے اور وہ اصل وہی شان ہے جو ذات میں اعتبار سے خالی ہے جیسا کہ میں نے کئی ایک مقامات پر اس کی تحقیق کی ہے اور "اللہ تعالٰے کے آئینہ" سے مراد ذات مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ مطلق آئینہ مقید نہیں ہو سکتا۔ اور جب آئینہ اس صورت کی شکل میں جو اس میں موجود ہے۔ مقید ہو گیا اور اس صورت کا اصل الاصل ہوا تو لازماً آئینہ متجلی لہٗ کی نظر میں اس کی صورت پر جو آئینہ میں موجود ہے بغیر زیادت ونقصان کے جلوہ گر ہوگا کیونکہ تجلی اور اس شان کا ظہور اس مرتبہ میں کہ اس میں تجلی واقع ہوئی ہے نہیں ہو سکتا مگر اسی صورت میں کہ متجلی لہٗ اس پر تھا لیکن اس شان کا اس صورت میں ظہور عالم سے عدم تعلق اور استغناء کے سبب سے مشروط ہے۔ اس اسم ظلی کے واسطہ سے جو کہ متجلی لہٗ کی صورت کے تعین کا مبدأ ہے اور یہ آئینہ مقدس دوسرے آئینوں کے خلاف ہے کیونکہ ان آئینوں میں صُوَر کا ظہور ان کے اجزا میں سے کسی جزو میں ہوتا ہے اور وہ آئینے ان صورے ظاہر نہیں ہوتے جو کہ ان میں حلول کئے ہوئے ہیں اس تباین کی وجہ سے جو ان کے درمیان واقع ہے برخلاف اس آئینہ مقدسہ کے کہ نہ تو صورت اس میں حلول کئے ہوئے ہے اور نہ اس کے اجزا میں سے کسی جزو میں حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس بارگاہ میں حالیت اور محلیت کا فقدان ہے اگرچہ باعتبار ظاہر حس کے ہو اور اس مرتبہ مقدسہ میں تبعض وتجزی بھی نہیں ہے۔ اگرچہ باعتبار توہم وتخیل ہو۔

بلکہ یہ مقدس آئینہ پورے کا پورا متجلی لہ شخص کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔ پس اس وقت وہ مقدس آئینہ آئینہ بھی ہوتا ہے اور صورت بھی پس متجلی لہ شخص نے آئینہ حق میں صرف اپنی ہی شکل وصورت کو دیکھا کہ وہی اس کی ذات کی شان ہے کہ متجلی لہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اور اس کی خاص شان کو نہ دیکھا تنزیہی طریقہ اور تقدیسی نہج پر اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کو دیکھے۔

اور یہ قول شیخ کی رائے پر مبنی ہے کہ وہ مرتبۂ تنزیہ میں امکان رویت کی نفی اور ظہورات تشبیہہ میں رویت کا اثبات کرتے ہیں اور یہ جامعہ لطیفہ بطریق تمثل ومثال ہے اور شیخ کی یہ رائے جیسا کہ تو دیکھتا ہے اس قول کے مخالف ہے جس پر علماء اہل سنت شکر اللہ سعیہم نے اتفاق کیا ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت جائز لیکن واقع نہیں

ہے اور آخرت میں بلا کیف رویت حق ہے اور واقع ہے اور وہ تمثل و امتثال کے طور پر نہ ہوگی جیسا کہ بدء الامالی میں کہا ہے۔

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ[1]
وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مِثَالٍ

کیونکہ مثل کو دیکھنا کیف کو دیکھنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بلکہ وہ مخلوق کی رویت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمائی ہے اور بطریق تمثل ظاہر ہوا ہے اور اللہ تعالےٰ تمثل و امتثال سے بلند تر ہے اور توہم و خیال سے بھی بلند ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں۔

اور تعجب ہے ان اکابر عرفاء پر جو تنزیہ سے تشبیہ کے ساتھ اور قدیم سے حادثات کے ساتھ خوش ہیں اور مثال پر قناعت کر بیٹھے ہیں اور صورت پر اقامت کر چکے ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ سب اس بیماری کی وجہ سے ہے جو ان کے قول توحید و اتحاد سے پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے اپنے اس حکم پر اصرار کیا ہے کہ عالم ہی حق سبحانہ و تعالےٰ ہے اور بس قولاً زماً ان کے نزدیک افراد عالم میں سے ہر فرد کی رویت اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی۔ اس سبب سے کہ ان کے نزدیک ان دونوں میں اتحاد واقع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بعض نے فارسی کا یہ شعر کہا ہے ؎

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است[2]
در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

ہاں اتنا ضرور ہے کہ شیخ قدس سرہ نے افراد عالم میں سے خاص جامع فرد کو جو بطریق تمثل اپنے حصول کو پہنچا ہو اس فضیلت کے لئے مخصوص کیا ہے اور یہ تخصیص اس کو کوئی نفع نہیں بخشتی۔ گویا کہ شیخ قدس سرہ نے کتاب و سنت کے کمال علم اور علماء کے اقوال کی وجہ سے اس قول کی جو کہ مطلق رویت اور ان کے ان چیزوں کی رویت کو اللہ تعالےٰ کی رویت قرار دینے کے متعلق ہے۔ برائی کو معلوم کر لیا ہے اور اس کے باوجود غلبہ سکر اور قوت حال توحید کی وجہ سے تشبیہ کی تنگی سے پوری طرح خلاصی نہیں پائی اور خالص

---

[1] مومن اللہ تعالےٰ کو بلا کیف و درک و تمثل دیکھیں گے۔

[2] آج جب کہ تیرا جمال بے پردہ ظاہر ہے میں حیران ہوں کہ کل کا وعدہ کس لئے ہے۔ ۱۲

تنزیہ کے کمالات کے حصول کے لئے فارغ نہ ہوا بلکہ اس نے یہ خیال کیا کہ خالص تنزیہ کا قائل قاصر ہے اور ناقص اور اللہ تعالیٰ کا محدد (حد بندی کرنے والا) ہے جیسا کہ تشبیہ کا قائل ہے پس خالص تنزیہ سے انہوں نے گریز کیا اور یقین کر لیا کہ کمال تشبیہ اور تنزیہ کو جمع کرنے میں ہے اور اس حکم لگانے میں کمال ہے کہ ان دو میں سے ایک دوسرے کا عین ہے تاکہ تحدید و تقیید بالکلیہ مرتفع ہو جائے۔

اور یہ تو تم پر مخفی نہیں ہے کہ تشبیہ اس کے نزدیک خارج میں مفقود ہے اور خارج میں موجود یہی خالص تنزیہ ہے پس ان میں سے ایک دوسرے کے لئے محدد اور مقیّد نہ ہوگا جیسا کہ وجود خارجی اور عدم خارجی کہ نہ تو عدم وجود کا محدّد ہے اور نہ وجود عدم کا محدّد ہے۔ بلکہ وجود عدم سمیت اپنے اطلاق پر ہے اور عدم وجود سمیت بھی اپنے اطلاق پر ہے اور ان میں سے ایک دوسرے سے مقیّد نہیں ہے اور اگر عدم وجود کا محدّد ہوتا تو اس لائق ہوتا کہ حکم کیا جاتا کہ وجود اور عدم کے جمع کرنے میں کمال ہے اور ان میں سے ایک دوسرے کا عین ہوتا اور اس کا بطلان ظاہر ہے

پس خالص تنزیہ کا قول اللہ تعالیٰ کے لئے تحدید نہ ہوا اور تنزیہ و تشبیہ کو جمع کرنا کمال ہوگا بلکہ نقص ہوگا اور ناقص کا کامل سے الحاق ہوگا اور یہ تو معلوم ہوگا کہ ناقص اور کامل سے مرکب ناقص ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ صور علمیہ جن کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں شیخ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہیں اور وہ بھی موجود خارجی کی تحدید کو لازم نہیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ اور ان چیزوں کے درمیان اتحاد اور عینیت کا حکم لگایا جائے اور یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ موجود خارجی کی تحدید اسی طرح کا موجود خارجی ہی کر سکتا ہے۔ باقی رہا موجود علمی۔ پس نہ تو وہ موجود خارجی کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کے مزاحم ہوتا ہے اس لئے کہ ان دونوں مراتب میں تباین ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے شریک کا تصور اور علم میں اس کا ثبوت کہ اس پر استحالہ کا حکم لگایا جائے گا ہرگز اللہ تعالیٰ کے مزاحم نہ ہوگا جو کہ موجود فی الخارج ہے اور نہ اس کی تحدید کرتا ہے اور نہ اس کی تقیید کرتا ہے تاکہ اس کے دفعیہ میں غیر واقع (جھوٹا) حیلہ کیا جائے کہ ایک ان میں سے دوسرے کا عین ہے اس کو یاد رکھو۔

اب چاہیئے کہ ہم کلام شیخ کی طرف رجوع کریں جو کہ تجلی ذات اور اس کے مناسبات کے متعلق ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ شیخ نے اس تجلی کے بعد ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے

کہ یقیناً تجلیات میں سے یہ آخری تجلی ہے اور انتہائی عروج ہے اور اس کے بعد صرف عدم محض ہے پس تو طمع نہ کر اور اپنے آپ کو محنت میں نہ ڈال کہ اس سے بلند عروج حاصل ہو اور اس سے اوپر وصول نصیب ہو اس لئے کہ تجلی ذاتی کے درجہ سے بلند تر کوئی مقام نہیں ہے۔

مکتوب نمبر ۷۵

اس حقیر محمد ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(اللہ تعالٰے کی ذات و صفات و افعال کی تجلی کے بیان میں)

میرے بھائی خواجہ محمد ہاشم جان لیں کہ تجلی افعال سالک پر حق تعالٰے کے ظہور سے عبارت ہے ایسے طریقہ پر کہ بندوں کے افعال اس فعل کے ظلال نظر آئیں۔ اور اس فعل کو ان افعال کا اصل پائے اور ان افعال کے قیام کو اس فعل واحد سے سمجھتے ہیں اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ ظلال اس کی نظر سے پوری طرح پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصل سے ملحق ہو جائیں اور ان افعال کے فاعل کو جمادات کی طرح بے حس و حرکت پائے۔ اور وہ جو ارباب توحید وجود نے جو عینیت اشیاء کے قائل ہیں اور ہمہ اوست اسے وہی ہے۔ کہتے ہیں اس مقام پر کہا ہے اور بندوں کے ان بہت سے افعال کو ایک فاعل جل شانہ کا فعل جانے۔ اس جگہ نسبت افعال کا اختفاء ہے جو اپنے فعل سے سمجھتے تھے۔ اور نسبت کا حدوث ان افعال کے لئے فاعل واحد سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ نفس افعال کا اختفاء ہے اور ان کا اصل سے الحاق ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور قریب ہیں کہ یہ بعض پر مخفی رہیں۔

تجلی صفات سالک پر اللہ تعالٰے کی صفات کے ظہور سے عبارت ہے۔ ایسے طریقہ پر کہ بندوں کی صفات کو اللہ تعالٰی کی صفات کا ظلال سمجھے اور ان کے قیام کو ان کے اصول سے سمجھے۔ مثلاً ممکن کے علم کو خدا تعالٰے کے علم کا ظل پائے اور اس کے ساتھ قائم سمجھے اور اسی طرح ممکن کی قدرت کو اللہ تعالٰی کی قدرت کا ظل سمجھے اور اس کا قیام اس کے ساتھ تصور کرے اور اس تجلی کا کمال یہ ہے کہ یہ صفات ظلال پوری طرح سالک کی نگاہ

سے پوشیدہ ہو جائیں اور اپنے اصول سے ملحق ہو جائیں اور اپنے آپ کو جو ان صفات کا موصوف ہے۔ جمادات کی طرح میت بے حیات اور بے علم پائے اور وجود اور کمالات وتوابع وجود کا کوئی اثر اپنے اندر نہ پائے۔ نہ اس جگہ ذکر ہوتا ہے نہ توجہ اور نہ حضور ہوتا ہے نہ شہود۔ اصل سے الحاق کے بعد اگر توجہ ہے تو خود بخود متوجہ ہے اور اگر حضور ہے تو خود بخود حاضر ہے۔ اور اس مقام سے سالک کا حصہ حقیقت فناو نیستی کا حصول اور کمالات کے انتساب کی نفی ہے جو بزعم خود ان کمالات کو اپنی طرف نسبت کرتا تھا اور امانت کو امانت والے کے سپرد کرنا ہے کہ جھوٹ اور تہمت سے اس امانت کو اپنی طرف سے سمجھتا تھا۔

اور پھر کلمہ

اَنَا (میں)

کے مورد کا زوال بھی ہے۔ اس حد تک کہ اگر اس کو بقا باللہ سے مشرف کریں تو پھر بھی ہرگز اَنَا کا مورد نہ ہو اور اپنے آپ کو "میں" کے لفظ سے تعبیر نہ کر سکے۔ اور اگرچہ اپنے آپ کو وہی اپنا اصل پائے تو اس پر بھی کلمہ اَنَا کے اطلاق کی گنجائش نہ ہو اور اپنے آپ کو اپنے اصل کا عین نہیں کہہ سکے گا کہ خودی اس سے برطرف ہو چکی ہے اور انانیّت زائل ہو چکی ہے

اَنَا الحق

کہنا اس نسبت کے عدم کے حصول کی وجہ سے ہے۔ اور

سُبحَانِیْ

زبان پر لانا اس دولت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن اکابر سے جو اس قسم کے الفاظ صادر ہوئے ہیں ان کو ان کے توسط احوال پر محمول کرنا چاہیے اور کمال شان کو اس گفتگو سے بالاعتبار کرنا چاہیے۔ یہ فنا کی دولت جو نیستی کی حقیقت ہے اگرچہ تجلی صفات کی انتہا ہے۔ لیکن اس کا حصول تجلی ذات کے پرتو سے ہے اور جب تک ذات متجلی نہیں ہوتی یہ فنا کی دولت میسر نہیں آتی۔ بلکہ تجلی صفات بھی انجام تک نہیں پہنچتی تجھ تک تو نہ پائے گا آزاد نہ ہو گا۔ تجلی ذات ہی کی وجہ سے ہے کہ عارف کا وہ بقیہ جو اس کی نظر میں جماد میت کی طرح نظر آتا تھا وہ بھی زائل ہو جاتا ہے اور وہ عدم تھا جو کہ ہر ممکن کا اصل ہے جو کہ اللہ تعالے کی صفات کاملہ کے انعکاس کے ذریعہ اس میں امتیاز اور تعین پیدا ہوا ہے اور اس آئینہ

داری سے دوسرے اعدام سے جدا ہوا ہے اور جب یہ منعکس ہونے والے ظلال اپنے اصول سے ملحق ہوگئے تو ان اعدام میں کوئی امتیاز چیز نہ رہی اور یہ عدم خاص بھی عدم مطلق سے ملحق ہوا تو اس وقت عارف کا نہ کوئی نام رہتا ہے نہ نشان

لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۔ (نہ باقی رکھتی ہے اور نہ کچھ چھوڑتی ہے)

جس طرح وجود اس سے وداع ہو کر چلے گئے عدم بھی اس سے جدا ہوا اور اپنے اصل سے جا ملا۔

جاننا چاہیئے کہ دوسرے اعدام سے اس عدم کا امتیاز جو کہ اس میں صفات کے ظلال کے حصول کے ذریعہ حاصل ہوا تھا وہ باعتبار توہم ہے اور اصل میں کوئی ظل بھی اس میں ثابت نہیں ہے بلکہ بالکل دوسرے آئینوں کی طرح کہ ان میں صورتوں کا حصول باعتبار توہم ہے اور اجب اس میں حصول ظلال باعتبار توہم تھا اس کا امتیاز بھی وہمی ہوگا۔ پس جس طرح وجود ممکن وہمی ہے اس کا عدم بھی وہمی ہوگا۔ وہمی کے دائرہ کے باہر اس کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت وجود اپنے خالص اطلاق پر قائم ہے اور عدم اپنے خالص اطلاق پر نہ وجود میں تنزل آیا ہے اور عدم کو ترقی حاصل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے کہ مرتبہ وہم میں وجود اور عدم سے جہان کو پیدا فرمایا ہے اور اسے پوری مضبوطی عطا کی ہے اور ابدی معاملہ اور عذاب و ثواب دائمی کو اس سے متعلق کیا ہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

اور وہ جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ اس دولت فنا کا حصول تجلی ذات کے پر تو سے ہے۔ یعنی نفس تجلی ذات کا حصول اس دولت فنا کے حصول کے بعد ہے جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہ پائے گا۔

نفس تجلی اور پر تو تجلی میں جو فرق ہے وہ طلوع آفتاب اور صبح کے روشن ہونے کا سا فرق سمجھ لینا چاہیئے۔ صبح کے روشن ہونے کے وقت تو آفتاب کی تجلی کا پر تو ہے۔ اور طلوع آفتاب کے بعد نفس تجلی آفتاب ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تجلی کا پر تو ڈالنے کے بعد بعض کو نفس تجلی سے مشرف نہیں کرتے اور بعض عوارض کے پیش آجانے کی وجہ سے اس اعلیٰ دولت تک نہیں پہنچاتے۔ وہ اسفار (صبح کی روشنی) کو پاتے ہیں۔ اور کسی آسمانی یا زمینی علت کی وجہ سے طلوع آفتاب تک راہ نہیں پاتے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ شہود و اسفار کے لئے قوت باصرہ (دیکھنے کی قوت) کا کمال درکار نہیں ہے۔ شہود آفتاب ہے جو کمال قوت باصرہ طلب کرتا ہے اور نظر کی تیزی چاہتا ہے مسکین چمگاڈر اسفار کے درک پر تو قادر ہے اور سورج دیکھنے میں عاجز ہے۔ وہ دوسری آنکھ چاہیئے کہ جس سے سورج دیکھا جا سکے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ تجلی آفتاب کے پر تو کی استعداد تو ہوتی ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہوتی۔ چمگاڈر کو تجلی آفتاب کے پر تو کی استعداد تو ہے لیکن نفس تجلی آفتاب کی استعداد نہیں ہے میں سربستہ کہہ رہا ہوں شاید نفع دے۔

تجلی صفات کے ختم ہونے اور فنائے صفات و ذوات کے بعد عارف کو ایک تجلی نظر آتی ہے جو گویا کہ تجلی ذات کی دہلیز ہے اور گویا کہ وہ تجلی ذات و تجلی صفات کے درمیان برزخ ہے۔ جس صاحب دولت کو اس تجلی سے گزار کر لے جاتے ہیں تو اسے تجلی ذات سے اس کی استعداد کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ اور یہ برزخی تجلی اس فقیر کے خیال میں اس تجلی ذاتی کا اصل ہے کہ جس کے متعلق شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ نے اس عبارت سے اس تجلی کو تعبیر فرمائی ہے "تجلی ذاتی شخص متجلی لہٗ کی صورت میں ہوتی ہے پس متجلی لہ اللہ تعالٰے کے آئینہ میں اپنی صورت کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور اس نے حق تعالٰے کو نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی ممکن ہے کہ اس کو دیکھ سکے"۔

اور شیخ نے اس تجلی کو منتہائے تجلیات کہا ہے اور اس سے اوپر کوئی مقام نہیں جانا اور کہا ہے "اور اس تجلی کے بعد جو کچھ ہے وہ عدم محض ہے سو نہ تو اس کا طمع کر اور نہ اس لئے محنت کر کہ اس تجلی ذاتی سے اوپر تو ترقی نہ کر سکے گا"۔

یہ عجیب معاملہ ہے مطلوب حقیقی کا وصول تو اس تجلی کے بعد ہے اور شیخ اس جگہ سے ڈراتا ہے اور اس آیت سے

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اور اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے)

تحذیر و تحدید کرتا ہے۔ ہم آوارہ لوگ اگر اس کا طمع نہ کریں اور اس کے حصول میں مشقت نہ کریں تو ہم نے کیا کام کیا اور جوہر نفیس چھوڑ کر کوڑیوں سے مطمئن ہو گئے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر مرتبہ سے حصہ اسی مرتبہ کے مناسب ہوتا ہے وہ حصہ جو

بیچون سے میسر ہوتا ہے وہ بھی بیچون ہوگا کیونکہ چون کو بیچون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس وہ معرفت جو اس مرتبہ سے تعلق پیدا کرتی ہے وہ اس معرفت کی طرح نہیں ہے جو چون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس معرفت کے لئے اس جگہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق علم جہل ہے یعنی یہ وہ علم نہیں ہے جو اس علم کی جنس سے ہو جو کہ ممکن کے علم سے متعلق ہے۔ کیونکہ وہ تو کیف کے مقولہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیف نہیں ہے۔"

اور تفکر جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق منع کیا ہے وہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تفکر و تخیل سے ماوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ ہی سے پایا جاسکتا ہے۔ نہ کہ فکر اور خیال سے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اور شیخ قدس سرہ کو چاہیئے تھا کہ اس طرح کہتا کہ "اس تجلی کے بعد خالص وجود اور نور محض ہے"۔ ظاہراً جو اس نے اس تجلی کے بعد عدم کہا ہے وہ اس اعتبار سے کہا ہے کہ عالم صفات کا ظل ہے اور صفات سے اوپر گزرنا اپنے عدم ہونے کی کوشش کرنا ہے۔ لیکن یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کیونکہ عارف جو صفات سے جو کہ اس کا اصل ہے اوپر نہیں جاتا اور شیون و اعتبارات ذاتیہ سے اوپر نہیں گزرتا تو اس نے کیا کام کیا اور کس لئے آیا اور وہ فناء و بقا جو اس کو ہر مرتبہ میں میسر ہوئی ہے اس نے اس کو اپنے اصل سے اوپر جانے پر دلیر بنا دیا ہے اور بقائے اصل کے ساتھ اصل سے گزرا ہے اور اصل الاصل تک پہنچا ہے۔

یُحْرَقُ بِالنَّارِ مَنْ یَّمَسُّ بِهَا
وَمَنْ هُوَ النَّارُ کَیْفَ یَحْتَرِقُ

اور شیخ قدس سرہ اگر اس ظل کے اصل تک پہنچتے تو اس سے اوپر ترقی کرنے سے نہ ڈرتے اور نہ ڈراتے۔ لیکن حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ بزرگوار اس مقام سے ترقی فرما چکے ہوں گے اور معاملہ کی حقیقت کو پالیا ہو گا۔ بزرگ کے حال کو اس کے قال کے ترازو سے نہ تولنا چاہیئے شاید وہ بات اس

ف آگ سے تو وہی جلایا جائے گا جو اس کو چھوئے گا اور اس سے الگ ہو گا اور جو خود آگ ہو چکا ہو وہ کس طرح جلے گا۔

نے ابتداء یا وسط میں کبھی ہو اور اس کے بعد کئی مرحلے اس سے آگے نکل گیا ہو۔ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالےٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

اور تجلی ذات کے متعلق کیا لکھوں اور کیا لکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک وجدانی چیز ہے جس نے پایا اس نے معلوم کیا اور جس نے نہ چکھا نہ جانا۔

قلم اینجا رسید سر بشکست [1]

صرف اس قدر ظاہر کرتا ہوں کہ تجلی ذات اس عارف کے حق میں جس کی فنا اور پر ذکر ہوئی ہے دائمی ہے اور وہ جو دوسروں کے لئے بجلی کی طرح ہے وہ اس کے لئے ہمیشہ ہے۔ بلکہ تجلی برقی اصل میں تجلی ذات نہیں ہے۔ اگرچہ بعض نے اس کو تجلی ذات کہا ہے لیکن وہ شیون ذات میں سے کسی شان کی تجلی ہے جو بڑی تیزی سے چھپ جاتی ہے جس جگہ بھی تجلی ذات ہے اور اعتبارات و شیون کے ملاحظہ کے بغیر ہے تو اس کو دوام لازم ہے اور پوشیدہ ہونا اس جگہ متصور نہیں ہے۔ تجلیات میں رنگا رنگی صفات اور شیون کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک وہ ہے جو تمام تلونیات سے منزہ و مبرا ہے اور پوشیدہ ہونے کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے جس پر چاہے کرے اور اللہ تعالےٰ بڑے فضل والا ہے۔ والسلام

دفتر سوم کا حصہ ہشتم اللہ تعالےٰ کی توفیق سے پورا ہوا اب آگے حصہ نہم ہے۔

[1] قلم اس جگہ پہنچا تو اس کا سر ٹوٹ گیا۔